خدام الدین

ہفت روزہ

لاہور پاکستان

بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عبید اللہ انور

دنیا بھر کے مسلمانو! اور عرب بھائیو!

زمانہ ماضی میں مدتوں ہم ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہ چکے ہیں

کیا یہ صدیوں کا بغض وعناد اور مدتوں کا خلفشار ہمارے لئے کم بربادی کا سامان تھا؟

کیا ہماری باہمی بے اتفاقی ہمارے دشمنوں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت نہیں ہوئی؟

کیا ہم اقوام عالم کے درمیان اچھے خاصے ذلیل نہیں ہو گئے؟

ایک زمانہ تھا کہ ہم دنیا میں سب سے اعلیٰ اقتدار کے مالک تھے لیکن آج ہمارا حال شرمناک حد تک افسوسناک ہے

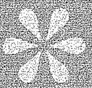
دنیا بھر کے مسلمانو! اور عرب بھائیو! صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور دشمن کے سامنے متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ۔ اور اپنے دوستوں کی دل کھول کر امداد کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کے مؤید بن جاؤ۔ ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات کو یکقلم ترک کرو ورنہ کمزور ہو جاؤ گے۔

اگر ہم تمام کے تمام مسلمان بھائی اسلام کے احکام کے سامنے جھکتے رہے تو انشاء اللہ غالب رہیں گے۔ صرف خالی خولی دعوت نہیں بلکہ یہ وہ جذبات ہیں جو انتہائی خلوص کیساتھ میرے دل سے ابل کر نکل رہے ہیں۔

یہ میرا وہ دل ہے جس میں اسلام کیلئے انتہاء اور بے پناہ جذبہ محبت ہے کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کی دعوت صحیح قسم کے پائیدار امن اور قوت کی ضامن ہے

صدر [illegible]

ایڈیٹر:
مجاہد الحسینی



بدل اشتراک

سالانہ ———— ۱۸ روپے
ششماہی ———— ۱۰ روپے
سہ ماہی ———— ۵ روپے

قیمت [illegible] پیسے

جلد نمبر ۱۹ ، شمارہ نمبر ۲۴

۹ رنومبر ۱۹۷۳ء
۱۳ رشوال المکرم ۱۳۹۳ء

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

فون نمبر ۶۰۵۴۵

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

شہنشاہ نہ کہلاؤ

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن بدترین نام اس شخص کا ہوگا جس کو (لوگ دنیا میں) شہنشاہ کہا کرتے تھے۔ (بخاری)

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص انتہائی مبغوض اور بدترین قرار پائے گا جس کا نام شہنشاہ ہوگا۔ اس لیے کہ بادشاہ اور شہنشاہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا ہے۔ (مسلم)

اچھے نام رکھو

ابو درداءؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن تمہیں تمہارے اپنے اور باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ اس لیے تم لوگ اپنے نام اچھے رکھا کرو۔ (احمد، ابوداؤد)

بہترین نام

ابو وہب جشمیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے نام انبیاء کے ناموں پر رکھا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ نیز (واقعے یا معنی کے اعتبار سے) زیادہ سچے نام حارث (کسب کرنے والا) اور ہمام (قصد و ارادہ) ہیں اور بدترین نام حرب (لڑنا) اور مرہ (تلخی) ہیں۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو کس قسم کے نام رکھنے چاہئیں۔ اور کس طرح کے ناموں سے احتراز کرنا چاہیے۔ نام کے اچھے یا برے ہونے سے انسان کی شخصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ نام خاندانی شرافت کو ظاہر کرتا ہے۔ ماں باپ کی علمیت، سنجیدگی، تربیت و صحبت اور دین اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ان کے تعلق کو بے نقاب کرتا ہے۔

مسروقؒ کہتے ہیں۔ میں حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے حاضر ہوا۔ پوچھا "تم کون ہو؟"

عرض کیا "اجدع کا بیٹا مسروق"۔

فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اجدع شیطان (کا ایک نام) ہے۔" (ابوداؤد)

نفس کو موٹا کرنے والا نام

زینب بنت ابی سلمہؓ کہتی ہیں میرا نام برہ (نیکوکار) رکھا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اپنے نفس کی تعریف نہ کرو۔ نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا نام زینب رکھو۔" (مسلم)

نام کا اثر

عبدالحمید بن جبیر بن شیبہؒ کہتے ہیں کہ میں سعید بن مسیبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے دادا جن کا نام حزن تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا :-

"تمہارا کیا نام ہے؟"

انہوں نے کہا "حزن"

فرمایا "میں تمہارا نام سہل رکھتا ہوں"

میرے دادا نے کہا "جس نام کو میرے باپ نے رکھا ہے میں اسے تبدیل کرنا نہیں چاہتا"

سعید ابن مسیبؒ کہتے ہیں۔ اس برے نام کی وجہ سے ہمارا خاندان اب تک سختیوں کا شکار ہے۔

حزن کے معنی سخت زمین کے ہیں اور سہل کے معنی ہیں نرم زمین۔

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ نام کی اچھائی اور برائی انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

نام مت بگاڑو

قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔

برے القاب کے ساتھ لوگوں کو مت پکارو۔ ایمان لانے کے بعد برے القاب سے پکارنا فسق و نافرمانی ہے۔

حضورؐ کا نام اور کنیت رکھنا

ابوہریرہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی کوئی شخص بیک وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنا نام اور حضورؐ کی کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھے۔

منافق کو سید مت کہو

حذیفہؓ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو سید (یعنی سردار، آقا) مت کہو۔ اس لیے کہ اگر وہ (اللہ کے نزدیک) سید نہیں تو تم نے اپنے پروردگار کو ناخوش کیا۔ (ابوداؤد)

برے نام بدل دو

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

بشیر ابن میمون اپنے چچا اسامہ بن اخدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص کا نام اصرم (درخت کاٹنے والا) تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔ "تمہارا کیا نام ہے"

"اصرم" اس نے جواب دیا۔

فرمایا۔ (اصرم نہیں) زرعہ کہو۔ (زرعہ کھیتی بونے والے کو کہتے ہیں) (ابوداؤد)

یہود و نصاریٰ کا اتباع

حضرت ابی سعیدؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے بالشت کے ساتھ بالشت اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ پورے اترو گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی گوہ کے بل میں گھسا تھا تو تم بھی گھسو گے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ آپ نے فرمایا اور کون ہو سکتا ہے۔

اس پیش گوئی کی صداقت آج دیکھ لی ہے کہ مسلمانوں کے اندر تقریباً وہ تمام امراض بلکہ روحانی شرک و کفر کے آ چکے ہیں جو یہود و نصاریٰ میں موجود تھے۔ قرآن مجید میں ان کے امراض پڑھیے اور پھر مسلمانوں میں غور سے دیکھیے۔ (حضرت شیخ التفسیر)

نیک آدمی رخصت ہو جائیں گے ردی رہ جائیں گے

حضرت مرداس الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے یکے بعد دیگرے رخصت ہو جائیں گے اور پیچھے ردی رہ جائیں گے۔ جس طرح جو اور کھجور میں سے ردی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

خدام الدین

۹ نومبر سنہ ۱۹۷۳ء
۱۳ شوال سنہ ۱۳۹۳ھ

جلد ۱۹ شمارہ ۴۲

مندرجات

رئیس الادارہ
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
مدظلہ
مجاہد الحسینی

عربوں نے اسرائیلی طاقت کا غرور توڑ دیا

پورے یورپ خصوصاً امریکی مال کا بائیکاٹ کیا جائے

مشرقِ وسطیٰ کی حالیہ جنگ میں یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی دشمن ہیں وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر عزت و وقار کے ساتھ زندہ برداشت نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ اسرائیل کے خلاف عربوں کی اس جنگ میں اسلامیانِ عرب نے جس شجاعت اور جوانمردی کے ساتھ اسرائیلی قوت و طاقت کا غرور توڑا ہے اور ہر محاذ پر اسے جس بُری طرح شکست فاش دی ہے اس پر پوری دنیا کے حریت پسند عربوں کو تحسین و آفریں پیش کر رہے ہیں۔ عربوں نے اسرائیل کے خلاف جس محاذ پر ہاتھ ڈالا مضبوط اور فتح مند تھا ــــ! اسرائیل کی فضائیہ اور اس کی ناقابلِ تسخیر قلعہ بندیوں کو تارِ عنکبوت سمجھ کر جس طرح ملیامیٹ کیا اور صحرائے سینا میں دیوہیکل ٹینکوں سے تاریخ کی جو سب سے بڑی جنگ لڑی گئی ہے عربوں کی شاندار فتوحات اور ان کے زریں کارناموں کی حیثیت سے وہ ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں زندہ و تابندہ رہے گی۔

یہ ایک بیّن صداقت ہے کہ عربوں نے اسرائیلی یہودیوں کو شکست دے دی ہے لیکن بقول صدر انور السادات آخری مرحلہ میں امریکہ نے شکست خوردہ یہودیوں کو تحفظ دینے کا فیصلہ کرلیا اور امریکہ اپنے جدید ترین مہلک اسلحہ کے ساتھ جنگ میں کود پڑا اس پر سادات کا یہ اعلان درست ہے کہ مصر یا عرب ممالک براہِ راست امریکہ سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ یہ حقیقت بھی دنیا پر واضح ہوگئی کہ اگر امریکی جاسوسی طیارے فوجی لحاظ سے واقع نہر سویز پر خلاء کی نشاندہی نہ کرتے تو اسرائیلی چند فوجی مغربی کنارے تک ہرگز نہ آسکتے تھے۔

خیر! یہ کوئی معرکہ آراء کارنامہ نہیں صدر سادات نے فرما دیا ہے کہ یہ چند فوجی ہماری تحویل میں ہیں ہم چونکہ جنگ بندی کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتے اس لیے اسرائیل کو چاہیئے کہ وہ ۲۲ اکتوبر کو ہونے والی جنگ بندی لائن پر چلا جائے اور اگر اسرائیل اس پر آمادہ نہ ہوا تو ہماری جنگ دوبارہ شروع ہوسکتی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کی حالیہ جنگ کے بارے میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس کا دائرہ محدود نہیں رہے گا اور اگر جنگ کی شعلہ فشانی ختم نہ ہوئی تو سرد جنگ زبردست طول پکڑ سکتی ہے اور عربوں کی طرف سے امریکہ کو تیل نہ دینے کا جو ہتھیار استعمال کیا جارہا ہے اس میں وسعت ہوجائے گی اور بقول صدر لیبیا کرنل قذافی پورے یورپ کے مال کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔

مشرقِ وسطیٰ میں عرب اس وقت جہاد میں سرگرمِ عمل ہیں تمام دنیائے اسلام کا اسلامی، دینی، ملی، قومی اور ملکی فریضہ ہے کہ وہ بھی اس جہاد میں عملاً پوری پوری شرکت کریں اور زبانی کلامی نہیں عرب مجاہدینِ اسلام کے دوش بدوش بنفسِ نفیس شرکت کرکے ان کے شانہ بشانہ جہاد میں حصّہ لیں اور اسلام و ملتِ اسلامیہ کی عظمت و عزت کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کریں۔

خصوصیت کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح عربوں نے امریکہ کے خلاف تیل بند کرنے کا ہتھیار استعمال کرکے سامراجی طاقتوں کو مفلوج کرنے اور انہیں اقتصادی و مالی بحران سے دوچار کرنے کا اقدام کیا ہے ایسے ہی پاکستان کے تمام باشندے یورپ کے مال خصوصاً امریکی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرکے ثابت کردیں کہ اسلامیانِ پاکستان اپنے عرب مجاہدینِ اسلام کے دوش بدوش جہاد میں پوری طرح شریک ہیں اور وہ عربوں کی تائید و حمایت اور سامراج دشمنی سے کسی طور پر بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔

● مرزائی ایئر مارشل کا نیا منصب

سرکاری حلقوں نے اس خبر کی اگرچہ تردید کردی ہے کہ ایئر مارشل ظفر چوہدری کو پی۔ آئی۔ اے کا منیجنگ ڈائریکٹر نہیں مقرر کیا جا رہا ہے۔ اس تردید سے اس بات کا ثبوت تو ملتا ہے کہ مسٹر چوہدری کو پی۔ آئی۔ اے میں نہیں لگایا جا رہا۔ سوال یہ ہے کہ اسے آخر کس منصب پر فائز کیا جا رہا ہے اور دوسرا کونسا محکمہ ہے جو ان کی تحویل میں دیا جا رہا ہے ــــ اور اگر سرے سے ہی یہ خبر غلط ہے تو یہ بات زبان زدِ عوام کیونکر ہوئی ــــ! آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ہم اربابِ حکومت کی خدمت میں صرف اتنی گزارش کردینا چاہتے ہیں کہ اس مرزائی افسر کو فوج سے فارغ ہی کر دینا ملک اور ملت کے لیے سود مند ہے۔ اگر اسے فوج سے نکال کر کسی دوسری جگہ متعین کیا گیا تو اس سے مسلمان ملازموں کی حق تلفی ہوگی۔ اور اسے مرزائیوں کے گہرے اثر و رسوخ پر محمول کیا جائے گا۔ کہ وہ اپنی حسبِ منشا عہدوں پر جب چاہیں فائز ہوسکتے ہیں۔

قرآنِ مجید کے تحریف شدہ نسخے

قرآن مجید کے تحریف شدہ نسخوں اور بلوچستان میں ان کی تقسیم کے بارے میں مولانا شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی کی ایک تقریر اسی شمارے میں شریک اشاعت ہے۔ اس میں مولانا صاحب نے مرزائیوں کی اس خطرناک جسارت اور ناپاک کوشش کی پوری تفصیلات پیش کی ہیں ہم یہاں پر معاصر نوائے وقت لاہور کے اداری نوٹ کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ معاملہ کس قدر سنگین تھا اور ارباب اختیار اس پر خاموشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

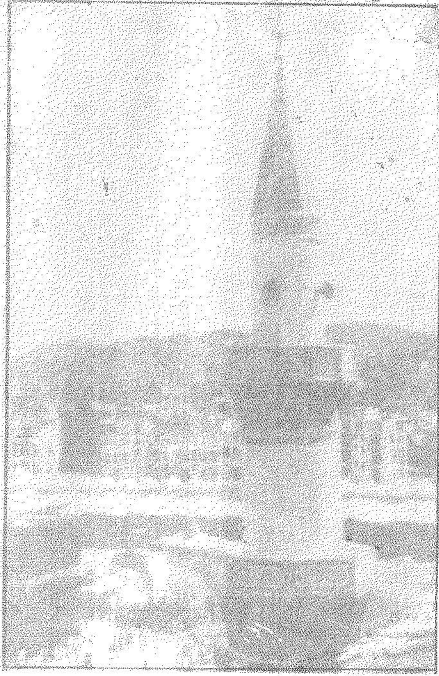
"ملک کے مختلف حصوں میں قرآن مجید کے تحریف شدہ نسخوں کی تقسیم و فروخت کے بارے میں گزشتہ کئی ماہ سے اطلاعات سننے پڑھنے میں آ رہی ہیں۔ دینی حلقوں کی جانب سے حکومت سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس جرم کے مرتکب لوگوں کو قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔ تاکہ یہ فتنہ آغاز ہی میں ختم ہو جائے۔ ان اطلاعات پر کسی بھی مسلمان کا مضطرب ہو جانا ایک فطری بات ہے۔ ہر مسلمان حکومت سے بھی مطالبہ کرے گا جو متذکرہ دینی حلقوں کی جانب سے کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے ہماری شریعت کا اول و آخر منبع ہے۔ اس میں تحریف وہی شخص کر سکتا ہے جو اسلام سے کد و دشمنی رکھتا ہو۔ اور اس کا مطلب مسلمانوں کے دین میں اور احکامات خداوندی میں تبدیلی لانا ہے بلاشبہ اس سے بڑا سنگین جرم اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اس کی سزا بھی سخت ترین ہونی چاہیئے۔

قرآن مجید کے تحریف شدہ نسخوں کی تقسیم مبینہ طور پر سب سے پہلے بلوچستان کے بعض علاقوں میں ہوئی تھی۔ ژوب میں تو اس کے خلاف مسلمانوں نے اس قدر احتجاج کیا کہ اس کی بازگشت پنجاب کی اسمبلی میں بھی سنی گئی۔ رکن اسمبلی حاجی سیف اللہ نے باقاعدہ تحریک التواء پیش کر کے حکومت کو سخت اقدام کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا اس تحریک التوا پر بحث و تمحیص کے بعد حکومت کی جانب سے یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اس سارے معاملہ کی تحقیقات کے بعد مجرموں کو سزا دی جائے گی۔ اور تحریف شدہ نسخے واپس لے لیے جائیں گے خود مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی نے بھی اس ضمن میں دکھ و تشویش ظاہر کرتے ہوئے مناسب کارروائی کا یقین دلایا تھا لیکن کئی ماہ گزر جانے کے باوجود کسی قسم کی کارروائی کی اطلاع سامنے نہیں آئی اور اب بعض حلقوں کی جانب سے احتجاج کیا جا رہا ہے کہ پنجاب میں بھی تحریف شدہ قرآن مجید کے نسخے تقسیم ہو رہے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں ہم کچھ کہنے سے قاصر ہیں جو لوگ احتجاجی بیانات دے رہے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ایسے نسخے حاصل کر کے باقاعدہ متعلقہ حکام کے نوٹس میں لائیں۔ اگر حاجی سیف اللہ یہ کام کر سکیں تو یہ ان کی بہت بڑی دینی خدمت ہوگی ورنہ بعض حلقے یہی کہیں گے کہ یہ محض پروپیگنڈہ ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اس اخلاقی فرض کو پورا کیا جائے گا۔ تاکہ کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو اور اضطراب کی کیفیت بھی ختم ہو سکے"

عید کا چاند اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن

معاصر نوائے وقت سے مبلا تبصرہ

اس مرتبہ عیدالفطر کی تقریب سعید پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے جو انتشار اور تذبذب پھیلایا ہے اس پر قومی حلقوں کا اظہار تشویش اور برہمی بے جا نہیں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن والے ہفتہ کی رات کو دس ساڑھے دس بجے تک یہ اعلان تو کرتے رہے کہ فلاں جگہ عید کا چاند نظر آگیا ہے۔ فلاں فلاں جگہ نظر نہیں آیا۔ لیکن ایسا کوئی واضح اعلان نہ کر سکے جس سے یہ ترشح ہوتا کہ عید اتوار کو ہو رہی ہے یا نہیں۔ یہ کہنا کہ سرگودھا میں چاند نظر آگیا ہے لائلپور اور فلاں فلاں جگہ نظر نہیں آیا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس سے سننے والوں میں انتشار و تذبذب ہی پیدا ہو سکتا تھا جبکہ وہ چاند ہو جانے کے مقامی سائرن سن چکے تھے ریڈیو اور ٹی وی والے اگر خود تذبذب کا شکار تھے اور عید کے بارے میں کوئی واضح اعلان نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا جا سکتا تھا۔ کہ فلاں فلاں جگہ چاند نظر آگیا ہے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ فلاں فلاں جگہ چاند نظر نہیں آیا۔ لاہور میں رات گئے تک ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات اضطراب و تذبذب پیدا کرنے کا موجب بنتے رہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ پریشانی ہوئی کوئی کہتا تھا چاند کا سائرن بج گیا ہے کوئی اس شش و پنج میں تھا کہ تراویح پڑھی جائیں یا نہیں۔ اور کوئی ریڈیو کے حوالے سے یہ بتا رہا تھا کہ عید کا چاند نظر نہیں آیا اعلیٰ ارباب اختیار کا یہ فرض ہے کہ وہ ریڈیو اور ٹی وی کی اس "کارکردگی" کے بارے میں تحقیقات کرائیں اور یہ معلوم کریں کہ انتشار و تذبذب دانستہ پھیلایا گیا تھا یا ان کی نااہلی اور نالائقی تھی۔ دونوں صورتوں میں ریڈیو اور ٹی وی کے متعلقہ ارباب اختیار کی سرزنش ہونی چاہیئے۔



ختم المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم

ظہیر صدیقی

زیست کی روحِ رواں تجھ پر سلام
فرش ترا عرش ہے
نقش ہے کعبہ ترا
گرد تری کہکشاں تجھ پر سلام
بیکسوں کا آسرا
عاصیوں کا ناخدا
لطف و بخشش کا نشاں تجھ پر سلام
نور ترا اولیں
تو ہے ختم المرسلیں
در ترا دار الاماں تجھ پر سلام
زینت بزمِ جہاں
زیست کی برقِ رواں
جانِ جاں جانِ جہاں تجھ پر سلام
یہ ظہیرِ مدح خواں
والا و شیدا ترا
دیکھے ترا آستاں تجھ پر سلام

جمعیۃ علماء اسلام بلوچستان کے جواں سال قائد اور بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ لاہور میں منعقد ہونے والی سپیکرز کانفرنس میں شرکت کے لیے ۱۷ر اکتوبر کو رات تقریباً دس بجے تشریف لائے۔ ریلوے سٹیشن پر جمعیۃ علماء اسلام لاہور کے زعماء جناب عبدالمجید بٹ، صاحبزادہ محمد اجمل، چوہدری ریاض احمد، حکیم محمد انور، میاں عبدالرحمٰن، میاں محمد حنیف، حاجی علاؤالدین اور جمعیۃ علماء اسلام کے رہنماؤں نے مولانا کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ پہلی رات آپ کا قیام مدرسہ قاسم العلوم میں تھا۔ بلوچستان جمعیۃ کے ایک اور رہنما مولانا عبدالستار بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اسی رات آپ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور کی معیت میں قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے جانشین پیر طریقت حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ جمعرات کو سپیکرز کانفرنس میں شرکت کے علاوہ آپ نے ۱۹ر اکتوبر کو جمعیۃ علماء اسلام لاہور کی طرف سے اسیران تحریک سول نافرمانی کے اعزاز میں دی گئی افطار پارٹی میں بھی خطاب کیا۔ ۲۰ر اکتوبر بروز ہفتہ کے روز جمعیۃ علماء اسلام نے مولانا شمس الدین کے اعزاز میں دعوت استقبالیہ کا اہتمام کیا اس سے قبل جمعۃ المبارک کے روز مولانا نے جامع مسجد شیرانوالہ میں نماز جمعہ کے بھاری اجتماع سے خطاب کیا جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور نے اس موقع پر مولانا شمس الدین کی دینی و ملی خدمات کو سراہا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ مولانا شمس الدین کی یہ تقریر قارئین خدام الدین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ ——————

ربوہ سے قرآن مجید کے مسخ شدہ نسخے بلوچستان بھیج کر مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو چیلنج کیا گیا تھا

فوج سے گولیاں چلوا کر ہمارے دلوں سے پاکستان کی محبت نکالی نہیں جا سکتی
حق و انصاف کے لیے ہم ہر قربانی پیش کریں گے ———— (مولانا شمس الدین)

پنجاب حق و انصاف کی اس جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہے (مولانا عبیداللہ انور)

رپورٹ۔ عبدالرشید انصاری

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط

برادران اسلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید جو آخری پیغمبر سیدالانبیاء والمرسلین حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے اس لیے نسل انسانی کی فلاح و نجات کا دارومدار اسی خدائی دین کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب مبعوث فرمایا اور نزول قرآن کریم کا آغاز ہوا اس وقت سرزمین عرب کے باشندے کفر و شرک کے سمندروں میں پوری طرح گھرے ہوئے تھے انہیں ضلالت و گمراہی کی تند و تیز لہروں سے نجات دلانے والا کوئی نہ تھا۔ کسی اور جگہ کا تو ذکر ہی کیا خود بیت اللہ شریف جو کہ جدالانبیاء سیدنا ابراہیم اور آپ کے لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی اور پرستش کے لیے بنایا تھا وہ قسما قسم کے بتوں سے اٹا ہوا تھا۔ مشرکین مکہ نے اللہ کے گھر میں مختلف نام و اقسام کے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور اللہ کے گھر میں غیر اللہ کی پوجا اور عبادت ہوا کرتی تھی اور بیت اللہ سے باہر ابوجہل اور عتبہ و شیبہ جیسے سرداران قبائل اور رؤساء مکہ کی لوگوں پر خدائی قائم تھی اور انہی کا حکم چلتا تھا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ملا تو آپ نے اہل مکہ کو جمع کر کے اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہونے اور اللہ تعالیٰ کی توحید و الوہیت کا پیغام سنایا اس پر سب لوگ جو آج تک آپ کو صادق و امین کہہ کر یاد کیا کرتے تھے آپ کے دشمن ہو گئے خصوصاً رؤساء و سرداران عرب نے اسلام کے سچے پیغام کو اپنی عزت اور اقتدار کا مسئلہ بنا لیا۔ اہل کفر و شرک اور پیروان اسلام میں برس ہا برس تک ٹھنی رہی اس دوران صحابہ کرام اور خود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا بے پناہ ظلم و ستم اور مصائب و آلام سہنا پڑے اپنی برادری اور رشتہ داروں سے مکمل انقطاع کے علاوہ وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ لیکن بالآخر فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ کفر و شرک کے تاریک بادل مکہ اور مدینہ کی فضاؤں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹ گئے۔ اسلام کا پرچم پوری آب و تاب اور عظمت و وقار کے ساتھ لہرانے لگا۔ اور سرزمین عرب دین اسلام کی عدل گستری اور انصاف پروری سے مالا مال ہو گئی۔ مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے کیا ہوا عہد و پیماں پورا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں اور نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیے بلکہ انہیں عظمت و وقار رشد و ہدایت اور فلاح و نجات دارین کی وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو تاریخ عالم میں کبھی کسی امت کو نہ ملی تھیں چنانچہ حجۃ الوداع کے روز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خدائے ذوالمنن کا پیغام سنایا گیا کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں اور پسند کر لیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو۔

حضرات گرامی! اللہ تعالیٰ کے اس کامل و اکمل اور آخری دین کے نام پر ہم نے یہ خطۂ پاکستان حاصل کیا تھا کہ غیر ملکی حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کا دین نافذ کریں گے یہاں قرآن و سنت کی حکمرانی ہوگی شریعت اسلامیہ کی بالادستی ہوگی۔ اور سیدالانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تحفظ ہوگا اس کے لیے صرف کروڑوں مسلمانوں نے اپنے وطن کو چھوڑا بلکہ انہوں نے لاکھوں جانوں کی قربانی دی اور ہزاروں مسلمان بہو بیٹیاں ہندوؤں سکھوں کی غلام بن گئیں۔ عصمتوں اور جانوں کی اتنی بھاری قیمت ادا کر گئے ہیں یہ ملک ملا تھا ہمیں چاہیے تھا کہ ان شہیدوں کے خون اور ماؤں بہنوں کی عزت و آبرو کی قدر و منزلت پہچانتے۔ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرتے اور پاکستان میں صحیح اسلامی فلاحی مملکت بنا دیتے لیکن ——

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور جب دین کے نام پر لیے ہوئے پاکستان میں ہمارے حکمرانوں نے دین کو نافذ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کیا اور مسلسل پچیس برس تک اس کے حکموں کی نافرمانی کرتے رہے تو پھر قوم و ملک پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا اور ہمارے ملک کا ایک بڑا حصہ بنگلہ دیش کے نام پر کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان کا سب کچھ لوٹا یا تباہ و برباد کر دیا۔ اور سب سے بڑی رسوائی یہ کہ ہماری فوج نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے اور نوے ہزار سے زائد سویلین اور فوجی بھارت کے قیدی بن گئے۔

اس کے بعد حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی تاکہ دوبارہ ان سابقہ غلطیوں کا اعادہ نہ ہو جن کی وجہ سے ملک و قوم کو یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ کچھ امید بندھی تھی کہ اس باقیماندہ پاکستان میں چونکہ اب منتخب عوامی حکومت قائم ہوئی ہے اس لیے اکثریتی جماعت یقیناً عوامی امنگوں اور آرزوؤں کا احترام کرے گی۔ فسطائیت اور فاشزم کا خاتمہ ہوگا۔ اب عوام پر برسر اقتدار لوگوں کی زبانیں نہیں۔ اسلامی اور جمہوری اصولوں کے مطابق آئین و قانون کی حکمرانی ہوگی اور علاقہ و زبان اور رنگ و نسل کی تمیز کیے بغیر پاکستان کے تمام باشندوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا۔ لیکن میرے دوستو! ہمارے ملک میں ایک بڑی عجیب سی رسم چلی آرہی ہے کہ یہاں جب بھی ملک کے لیے کوئی دستور و آئین بنایا جاتا ہے تو سابقہ دساتیر کو منسوخ سمجھا جاتا ہے تو اب بھی ایسا ہی ہوا۔ سوائے اس کے کہ جمعیۃ علماء اسلام کی مخلصانہ کوششوں، قائد محترم

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی کی سیاسی بصیرت و انتھک جدوجہد سے اور دوسری اپوزیشن پارٹیوں کے تعاون و اشتراک کی وجہ سے دستور میں صدر اور وزیراعظم کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ مسلمان کی تعریف دستور میں لکھی گئی باقی پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ حضرات گرامی! میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت موجودہ حکمرانوں نے بھی سابقہ حالات و واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور وہی آمریت اور فسطائیت کے اسی راستے پر چل پڑے ہیں جس پر چل کر ایوب خاں نے ملک کی باگ ڈور یحییٰ خاں کے سپرد کی۔ اور یحییٰ خاں کے عہد اقتدار میں ملک تباہ و برباد ہو گیا۔ آج ہمارے صوبہ بلوچستان میں بھی وہی حالات پیدا کر دیے گئے ہیں جو یحییٰ خاں کے دور میں مشرقی پاکستان میں پیدا کیے گئے تھے۔ عوام کچھ کہتے ہیں اور حکمران کچھ کرتے ہیں۔ عوام اپنے حقوق مانگتے ہیں انہیں گولی سے جواب دیا جاتا ہے وہ جینے کا حق مانگتے ہیں تو ان کی ناکہ بندی کر کے پانی تک سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کتنے ہی بوڑھے ضعیف مرد اور عورتیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھوک و پیاس کی تاب نہ لا کر تڑپ تڑپ کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔ ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے گذشتہ الیکشن میں پیپلز پارٹی کو نہیں اپنی پسند کے نمائندوں کو منتخب کیا تھا۔ بلوچستان کے عوام غریب اور پسماندہ ضرور ہیں۔ لیکن وہ سچے اور کھرے مسلمان ہیں۔ ہمارے دلوں سے فوج سے ہم پر گولیاں چلوا کر پاکستان کی محبت نہیں نکالی جا سکتی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری حکومت کہتی کچھ ہے اور کرتی کچھ ہے۔ پچھلے دنوں جب قومی اسمبلی میں یہ بل پاس ہوا کہ قرآن مجید کی طباعت میں عمدگی اور کتابت کی تصحیح پبلشروں کے لیے لازمی ہو گی کتابت و طباعت میں قرآنی الفاظ کا تحفظ و تصحیح حکومت کا ذمہ ہو گا ہمیں بڑی خوشی ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن مجید کے تین ہزار مسخ شدہ نسخے ربوہ سے بلوچستان بھیج دیے گئے، ایک ہزار نسخے میرے شہر فورٹ سنڈیمن بھیجے گئے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بلوچستان کے غیور مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو کھلا چیلنج تھا۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا اور اس کا جواب اس طرح دیا کہ گورنمنٹ کو چوبیس گھنٹے کا نوٹس دیا گیا کہ ربوہ سے آئے ہوئے قرآن کے تمام نسخے ضبط کر لیے جائیں۔ بلکہ حکومت کو شرم آنی چاہیے جس نے اس موقع پر مرزائیوں کو مسلح کیا اور ہمارے خلاف ان میں اسلحہ تقسیم کیا۔ ہم پر بدامنی پھیلانے کا الزام لگایا گیا۔ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنے والوں کو پکڑ کر جیلوں میں بند کیا گیا۔ خود مجھے چالیس دن تک ایسے علاقہ میں رکھا گیا جہاں میلوں تک انسانوں کی کوئی آبادی نہیں تھی پینتالیس گھنٹے تک مکمل بھوک ہڑتال کیے رکھی حافظ الحدیث حضرت درخواستی دامت برکاتہم خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی اور حق و انصاف کے لیے قربانی پیش کرنے پر انہیں مبارکباد پیش کی، بالآخر حکومت جھکنے پر مجبور ہو گئی۔ ہمارے سب ساتھی رہا کرنے پڑے۔ آج میں اعلان کرتا ہوں اس قسم کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے ہمیں سچی بات کہنے سے روکا نہیں جا سکتا اور میں اپنے پنجاب کے بھائیوں کو بھی یقین دلاتا ہوں

(باقی صفحہ پر)

اِسلامی حکومت کا مقصد

عبدالرحمٰن لدھیانوی۔ شیخوپورہ

از روئے قرآن اسلامی حکومت کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے۔ اور اسی میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی بھی مضمر ہے از روئے قرآن غلبہ حکومت مقصود بالذات چیز نہیں ہے۔ مقصد اور نصب العین اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے۔ شیطان کی ایجاد کی ہوئی ترغیبوں اور تحریفوں کو دجو شیطان کی پگڈنڈیوں کے قدم قدم پر اللہ کے راستے کے ساتھ ساتھ اس نے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے کھڑی کر دی ہیں) مکمل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اور اس کے بندوں کے لیے صاف کرنا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین اسلامی غلبہ و اقتدار کا ہے جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو دنیا امن و سلامتی کا گھر اور خوشی و خوشحالی کا مسکن بن جاتی ہے۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخرت کی نیت سے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ یہ دنیا بھی عنایت فرماتا ہے لیکن اس دنیا کی نیت سے کام کرنے والوں کو آخرت کے انعاموں سے محروم رکھتا ہے۔ مختصر یوں سمجھئے کہ قرآنی ضابطہ حیات و دستور زندگی میں دو نصیحتیں ہیں، آخرت کی سرخروئی اور اس دنیا کی کامیابی اور غیر قرآنی سیاست کا نتیجہ ممکن ہے کہ اس دنیا کی کامیابی کی صورت میں کچھ وقت کے لیے برآمد ہو، لیکن اس کا انجام خسران مبین اور جہنم کی آگ ہے۔

قرآنی سیاست کا مطمح نظر محض غلبہ و اقتدار صرف قیام حکومت و سلطنت نہیں ہے۔ یہ روٹی، انڈے، ریشمی لباس اور سربفلک محلات کے لیے جدوجہد نہیں ہے یہ کمزوروں کی لوٹ کھسوٹ اور زورآوروں کی عیش و عشرت کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانے، کمزوروں کو طاقت ور بنانے، بروں کو نیک بنانے، بھوکوں کو روٹی دینے، ننگوں کو کپڑا پہنانے، غلاموں کو آزاد کرنے اور اللہ کے حکم و قانون کو بلند کر کے شیطان اور اس کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو شکست فاش دے کر اللہ کی پیدا کی ہوئی دنیا کو اللہ کے بندوں کے لیے جنت بنانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے

امیر کے انتخاب کے متعلق طالوت اور جالوت کے سلسلہ میں یہ بات قرآن میں آچکی ہے کہ اولی الامر وہ شخص ہوتا ہے جو علم اور قوت میں سب سے زیادہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ نے حاکم بنایا اس نے رعیت سے خیانت کی اور خالص بے لوث خیر خواہی نہ کی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا مالک ہوا اور پھر اس نے محبت یا قرابت کی بنا پر کسی کو مسلمانوں کا حاکم بنا دیا اور قابلیت کو نظر انداز کر دیا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے غداری کی، حدیث صحیح میں ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کو عامل بنایا جائے حضور نے فرمایا کہ ہم کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص خود کسی عہدے کا طالب ہو اس کے تقرر سے اجتناب لازمی ہے۔

اگر کسی شخص کو عہدہ بلا طلب مل گیا۔ تو اس کو چلانے میں اللہ کی طرف سے مدد ملے گی اور اگر خود مانگ کر لیا تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

اب بتاؤ کہ اگر اس قسم کے مسلمان والی اور حاکم ہم کو میسر آجائیں جو خود بے آرام رہیں تاکہ ان کی رعایا آرام پائے جو خود فقر و فاقہ سے زندگی بسر کریں تاکہ رعایا خوشحال ہے

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

آج تک یہ روایت چلی آرہی تھی۔ کہ ڈنر، لنچ اور استقبالیے دعوتیں عوام اپنے حکمرانوں کے اعزاز میں اور سیاسی کارکن اپنے لیڈروں کے اعزاز میں ترتیب دیا کرتے ہیں لیکن ۱۹ر اکتوبر جمعۃ المبارک کے روز مدرسۃ البنات شیرانوالہ میں یہ روایت اس وقت ٹوٹ گئی جب حالیہ تحریک سول نافرمانی میں گرفتار شدہ مختلف سیاسی ورکروں کے اعزاز میں جمعیۃ علماء اسلام لاہور نے استقبالیہ دیا اور افطار پارٹی کا اہتمام کیا اس تقریب میں عام کارکنوں اور ورکروں کی خدمات کو رہنماؤں نے سراہا اور ہدیہ تبریک پیش کیا جمعیۃ علماء اسلام بلوچستان کے رہنما اور بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا شمس الدین، نیپ کے جناب داؤد مشہور اختر، پی ڈی پی کے جناب عبدالرشید ایڈووکیٹ، مسلم لیگ کے جناب بشیر احمد فخری ایڈووکیٹ، جمعیۃ طلباء اسلام کے جناب عبدالمتین چودھری اور جناب محمد عارف کے علاوہ جناب قاری نور الحق ایڈووکیٹ اور مرزا غلام نبی جانباز نے بھی شرکائے اجتماع سے خطاب کیا اور سپاسنامہ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے سربراہ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور نے پڑھا

(عبدالرشید انصاری)

علی محمد شاہین

جب صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے سویز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا

قدیم دنیا کے تین براعظموں (ایشیا، یورپ اور افریقہ) میں مصر کو ایک مرکزیت حاصل رہی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فاتحین (سکندر اعظم، جولیس سیزر، عمرو بن العاص، سلیم اول اور نپولین بونا پارٹ وغیرہ) نے اسے ہمیشہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ قدیم ترین تہذیب، اپنی زرخیزی اور قدیم زمانے سے لے کر اب تک یورپ کے ایشیا کے جنوب مشرقی اور مغربی ممالک سے تجارت کا ایک اہم ذریعہ ہونے کی وجہ سے مصر کا مطالعہ ایک فن بن چکا ہے جسے EGYPTOLOGY کہتے ہیں۔

نہر سویز کی وجہ سے گزشتہ ایک صدی سے مصر کی سرزمین خاصی شہرت اختیار کر چکی ہے۔ آج سے صدیوں پہلے ایک مصری حکمران طوطمش ثالث (۱۴۹۴ ق م) کے عہد میں اُسے پہلی مرتبہ بنایا گیا تھا۔ اس کے ذریعہ بحری جہاز بحیرہ روم سے بحیرہ احمر پہنچتے اور یمن اور عدن کی بندرگاہ سے جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقی افریقہ کا مال لے جا کر مصر، قبرص، ایشیائے کوچک اور یونان لے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی ادب میں جنوبی عرب کی سرزمین ”عرب لطیف“ کے نام سے موصوف ہے۔

اسلامی عہد میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب عرب میں قحط کی صورت حال نمودار ہوئی تو دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ایک نہر کے ذریعہ ملا دیا گیا۔ اس طرح مصر سے غلہ حجاز پہنچنے لگا۔ یہ راستہ مدتوں تک جاری رہا۔ ۱۵۶۵ء میں ترک سلطان سلیمان اعظم کے جانشین سلیم ثانی (۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء) کے وزیر اعظم مصطفےٰ صوقولی نے بحیرہ روم کو بحیرہ احمر سے ایک نہر کے ذریعہ ملانے کی تجویز پیش کی تھی لیکن وہ عملی جامہ نہ پہن سکی۔ ۱۹ویں صدی عیسوی کے وسط میں محمد علی پاشا والیٔ مصر کے ایک جانشین سعید پاشا (۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۳ء) نے ایک فرانسیسی انجینئر موسیو ڈی لیسپس کو ۱۸۵۶ء میں اس نہر کی تعمیر کا ٹھیکہ دے دیا۔

نہر سویز کی تعمیر پر لاکھوں پونڈ صرف ہوئے تھے۔ مصری سرمایہ کے علاوہ اس میں اہل فرانس اور برطانیہ کا سرمایہ بھی لگا تھا۔ ابتدا میں برطانیہ نے اس کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں لیا مگر جب ۱۸۶۹ء میں یہ نہر بن کر تیار ہوئی تو برطانیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نہر کے کھل جانے سے مشرق کے بحری راستہ کی مسافت میں بہت کمی واقع ہو گئی جو اس وقت راس امید سے ہو کر گزرتا تھا۔ نہر سویز کے کھل جانے کے بعد مصر جو اب تک بین الاقوامی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا اب دنیا کے اہم تجارتی راستوں میں سے ایک کا مالک بن گیا۔

نہر سویز کے حصے زیادہ تر فرانس کے قبضے میں تھے۔ اس لیے زیادہ فائدہ فرانس کو پہنچتا تھا۔ لیکن برطانیہ نے اپنے ایشیائی مقبوضات اور مقاصد کی بنا پر اس نہر پر تسلط قائم کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ برطانوی وزیر اعظم لارڈ بیکنسفیلڈ نے خدیو مصر اسماعیل پاشا سے نہر سویز کے حصے خرید کر کے برطانیہ کے اقتدار کو وہاں قائم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مصر کے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت کر کے نہ صرف پورے مصر بلکہ سوڈان کو بھی ہتھیا لیا۔ نہر سویز کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ عظیم سے کچھ عرصہ قبل جب باب عالی کے غازی انور پاشا نے جرمنی کے اشتراک سے بغداد ریلوے تعمیر کرائی تو اس سے نہر سویز کی اہمیت گھٹ گئی۔ جنگ عظیم اوّل کے اہم اسباب میں سے ایک سبب بغداد ریلوے کی تعمیر بھی ہے۔

برطانیہ کسی نہ کسی بہانے نہر سویز پر قابض رہا۔ اس نے مصریوں سے جتنے بھی معاہدے کئے اس میں نہر سویز پر برطانوی قبضے کی شرط موجود تھی۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں لارڈ ایلن بی نے مصر پہنچ کر جو اعلان کیا اس میں نہر سویز پر برطانوی قبضے کا ذکر بھی ہے۔ اس کے علاوہ مصر کے داخلی معاملات میں بھی برطانیہ ہمیشہ مداخلت کرتا رہا جس کا واضح ثبوت سر چارلس وِنگیٹ اور لارڈ کرومر کے مصر کے دوران قیام سے ملتا ہے۔ نیز ۲۸ اگست ۱۹۳۶ء کو مصر اور برطانیہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں نہر سویز میں برطانیہ کو دس ہزار فوج اور چار سو ہوا باز رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۱ء تک مصریوں نے برطانیہ سے نہر سویز کے معاملے میں بات چیت کی۔ یہ مذاکرات بھی ناکام رہے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۶ء تک مصر اور برطانیہ میں چپقلش جاری رہی۔ ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں نام نہاد اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد برطانیہ اور مصریوں میں سخت منافرت پیدا ہو گئی اور ۱۹۵۱ء میں شاہ فاروق کی برطانیہ نوازی سے مصریوں اور شاہ میں سخت تصادم پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ جولائی ۱۹۵۲ء کے انقلاب مصر کی صورت میں نمودار ہوا۔

انقلابی حکومت کے شروع کے چار سال ملکی اصلاحات میں صرف ہوئے۔ برطانیہ اب بھی مصریوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں جب برطانوی وزیر خارجہ سلوین لائیڈ قاہرہ آئے تو اس نے مصریوں کو ایسے لیکچر پلانے شروع کئے جیسے وہ سکول کے بچے ہیں۔ اس عرصہ کے دوران شرق اوسط کے مسئلے پر اس نے مصریوں کو تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا کہ

”یاد رکھو! اردن میں اب بھی ہمارا گلب پاشا موجود ہے“۔

مصری ناراض ہو گئے۔ یہ انگریز اس قدر بدتمیزی کے ساتھ شیخی بگھار رہا تھا۔ مصر کے قائد انقلاب صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے غصہ سے جھلا کر کہا:-

”مسٹر سلوین! آپ کا گلب کبھی ہوا کرتا تھا لیکن وہ اب نہیں رہا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عین اس وقت جب آپ اس ڈنر میں شریک ہونے کے لیے آ رہے تھے۔ ادھر اردن میں آپ کے گلب کو برطرف کیا جا چکا تھا“

صدر ناصر نے مصر سے افلاس کو دور کرنے، ہزاروں مصریوں کو روزگار فراہم کرنے اور ملک کو خود کفیل بنانے کے لیے دریائے نیل پر اسوان کے مقام پر ایک عظیم بند تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ عالمی بنک کے ڈائریکٹر مسٹر یوجین بلیک نے بیس کروڑ ڈالر کا قرضہ دینے کا وعدہ کیا۔ برطانیہ اور امریکہ نے بھی امداد کا وعدہ کیا مگر بعد میں سب نے مالی امداد کی جو پیشکش کی تھی وہ واپس لے لی۔ اس طرح مغربی استعمار جان بوجھ کر عربوں کی توہین کر رہا تھا۔ روس نے اس قسم کی امداد دینے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ چند روز پہلے صدر ناصر مرحوم نے یہ اعلان کیا تھا کہ ان کی جیب میں روس کی پیشکش ہے اور وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔

مغربی سامراج نے ایک بار پھر خود کو بے نقاب کر دیا اور دنیا کو کھل کر یہ بتا دیا کہ ان کی پالیسی یہی ہے کہ آزاد قوموں کے حق خود اختیاری اور ان کی آزادی کو تباہ کر کے رکھ دیا جائے۔ لیکن صدر ناصر نے واضح طور پر مغربی استعمار کو یہ بتا دیا کہ ابھی ان کے ترکش میں کچھ تیر اور باقی ہیں اور سامراج کو اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ ان پر حکم چلائے۔ سیاسی، فوجی یا اقتصادی طور پر کسی کو اس طرح رعب جمانے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ ان کے ڈالروں اور ان کی طاقت کے سامنے ہرگز سر خم نہیں کیا جائے گا۔

یہی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے صدر ناصر نے سویز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا۔ انہوں نے آج سے ۱۵ برس پہلے ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کو مصر کے قدیم اور مشہور تاریخی شہر اسکندریہ کے ایک میدان ”التحریر“ میں ہزاروں افراد ان کی تقریر سن رہے تھے۔ وہ تین گھنٹوں سے مسلسل مائیک کے سامنے کھڑے بول رہے تھے۔ اُن کا پیغام نہ صرف مصری عوام اور دنیائے عرب بلکہ پورا شمالی افریقہ سن رہا تھا وہ عربوں کے روایتی جوش میں حاضرین جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔

”امریکی ماہر مالیات مسٹر یوجین بلیک میرے دفتر میں میرے سامنے بیٹھے تھے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جیسے نہر سویز کا فرانسیسی معمار ”لیسپس“ بیٹھا ہوا ہے۔ خدیو کے سامنے بالکل لیسپس کی طرح“

انہوں نے لیسپس کے لفظ پر خاص طور پر ایک معنی خیز انداز سے زور ڈالا۔ بے چارے عوام کو کیا معلوم تھا کہ یہ ایک اشارہ ہے۔ ادھر پورٹ سعید میں نہر سویز کا مصری گورنر محمد ریاض پاشا

پورے غور و خوض کے ساتھ ریڈیو پر تقریر سننے میں منہمک تھا۔ لیسپس کا لفظ سنتے ہی اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ کام جس کی تفصیل اُسے ایک روز پہلے مل چکی۔ اس نے پورٹ سعید اسمٰعیلیہ، پورٹ فواد، پورٹ توفیق اور نہر سویز کے مصری دفتروں کی مدد سے پلوں، کارخانوں اور دوسرے اہم فوجی تنصیبات پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی ایک مصری دستے نے قاہرہ میں امریکہ کے سفارت خانے کے قریب سویز کینال کمپنی کے دفتر میں داخل ہو کر کمپنی کے اثاثوں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی۔ غیر ملکی حکام پریشان تھے۔ مصری افسر چلایا۔

"اگر آپ کو یقین نہ ہو تو ریڈیو کھول لیں"

ادھر ریڈیو سے بدستور صدر ناصر کی یہ آواز آ رہی تھی۔

"مصری حکومت نہر سویز کے پورے نظم و نسق کی نگرانی کرے گی۔ یہ نہر مصریوں نے کھودی تھی، اس کی کھدائی کے دوران ایک لاکھ بیس ہزار مصری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اب ہم اپنی قوت بازو پر بھروسہ کریں گے۔"

۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کا یہ دن مصر کی تاریخ کا اہم دن تھا جسے وادی نیل کے فرزند ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسی روز ان کے محبوب قائد نے ان کی رہنمائی کی تھی۔ صدر ناصر سویز کے قومی ملکیت میں لینے کے اعلان سے مغربی سامراج چیخ اٹھا۔ فرانس کے وزیر اعظم مولے اور برطانیہ کے وزیر اعظم انتھونی ایڈن نے ناصر کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اپنے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے بدکلامی اور بدتہذیبی کی وہ مثال پیش کی جو ایک مہذب قوم کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔

برطانیہ اور فرانس نے امریکہ کے ساتھ مل کر مصر کی ناکہ بندی کی کوشش کی۔ لندن میں ۲۲ ممالک کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں نہر سویز کو بین الاقوامی کنٹرول میں لینے کی قرارداد منظور کی گئی جسے صدر ناصر نے مسترد کر دیا۔ برطانیہ نے اپنے پائلٹ (کشتیاں چلانے والے) واپس بلا لئے تاکہ آمد و رفت بند ہو اور اُسے مداخلت کا موقع مل جائے لیکن ناصر نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے کہا۔

"ہم دُنیا پر ثابت کر دیں گے کہ نہر سویز کو مصری چلا سکتے ہیں صرف مصری اور ہم اُسے چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

صدر ناصر کا یہ اقدام بڑا جرأت مندانہ تھا۔ جس پر ایک طرف دُنیائے اسلام کے ممالک مستعدی دکھا رہے تھے دوسری طرف ایڈن ان پر ذاتی حملے کر رہا تھا کہ ناصر لٹیرا ہے۔ یہ جتنا کھاتا ہے اس کی بھوک بڑھتی جاتی ہے۔

صدر ناصر نے قلیل مدت میں مختلف ممالک سے پائلٹ منگوائے اور چوبیس گھنٹے روزانہ کام ہوتا رہا اور نہر میں آمد و رفت جاری رہی۔ آخر معاملہ سلامتی کونسل پہنچا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری مسٹر ڈاگ ہیمرشولڈ برطانیہ، فرانس اور مصر سے گفتگو کرنے کے لئے جنیوا پہنچے۔ لیکن اسی روز برطانیہ اور فرانس نے صحرائے سینا میں یہود کے ساتھ ایک الگ ملاقات کا انتظام کر رکھا تھا۔ ساتھ ہی اسرائیل چلا رہا تھا کہ

"کہیں مصر کا یہ فاشسٹ ڈکٹیٹر ہمارے ملک پر حملہ نہ کر دے۔ یہ شخص ہزار مرتبہ کہہ چکا ہے کہ وہ اسرائیل کا وجود ختم کرنا چاہتا ہے"

اسرائیل نے اردن سے گڑبڑ شروع کی اور خطرہ بڑھتا جا رہا تھا کہ کہیں اسرائیل اردن پر حملہ نہ کر دے۔ مگر ۲۹ اکتوبر کو اسرائیل نے جس ملک پر حملہ کیا تھا وہ اردن نہیں مصر تھا۔ ساتھ ہی برطانیہ اور فرانس نے یہ اعلان کیا کہ

"مصر اور اسرائیل بارہ گھنٹے کے اندر جنگ بند کر دیں اور مصر اپنی افواج نہر سویز سے دس دس میل پیچھے ہٹا لے اور برطانیہ اور فرانس کی فوجوں کو نہر سویز کے تین اہم مقامات اسمٰعیلیہ، سویز اور پورٹ سعید پر قبضے کی اجازت دے دے"

عجیب بات تھی، حملہ مصر پر اور پھر یہ مطالبہ۔ مغربی سامراج اب کھل کر اپنے صحیح خد و خال میں سامنے آ گیا۔ لیکن ناصر نے کہا کہ ان کا یہ مطالبہ فوری طور پر رد کیا جاتا ہے۔ ہم عزت و ناموس اور اپنے وقار کی خاطر جنگ کریں گے۔

صدر ناصر نے جواب دیا ہی تھا کہ برطانیہ اور فرانس کے دو ہزار سے زائد جیٹ لڑاکا طیاروں نے نہر سویز اور قاہرہ پر بمباری شروع کر دی لیکن ناصر کے عزائم میں فرق نہ آیا۔ دُنیائے اسلام میں ہلچل مچ گئی۔ عرب ممالک نے تیل کی پائپ لائن اڑا دی۔ ادھر آئزن ہاور اور ڈلس چراغ پا ہوئے۔ برطانیہ کے بیشتر لوگ اپنی حکومت کے خلاف تھے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا ہنگامی اجلاس شروع ہوا تھا جو ستر اقوام پر مشتمل تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حملہ آور افواج مصر سے نکل جائیں برطانیہ اور فرانس حیلہ جوئی کرنے لگے۔ اس پر صدر ناصر نے نہر سویز میں جہاز ڈبو دیئے۔ اس عرصے میں روس کے وزیر اعظم مارشل بلگانن نے برطانیہ، فرانس اور امریکہ کو دھمکی دی کہ

"لڑائی فوراً بند کر دیں ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہوں"

حملہ آوروں نے لڑائی بند کر دی مگر اس بات پر مصر تھے۔ کہ ہم نہر سویز کی صفائی کرا کے جائیں گے۔ ناصر نے انکار کیا کہ جب تک برطانیہ کا ایک سپاہی بھی مصر میں موجود ہے، یہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ نہر سویز میں آنے والی اقوام متحدہ کی فوج میں برطانوی دستہ نہیں آئے گا۔

۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو وہ تاریخی دن تھا جب برطانیہ اور فرانس کی افواج ایک چھوٹے سے افریشیائی ملک کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئیں۔ اسرائیل کچھ عرصہ تک گڑبڑ کرتا رہا۔ آخر مارچ ۱۹۵۷ء میں وہ بھی اپنے آقاؤں کی طرح نامراد لوٹا۔ اقوام متحدہ کے عملے نے نہر کی صفائی شروع کی۔ اپریل ۱۹۵۷ء میں ناصر نے یہ اعلان کیا کہ:-

"وہ تمام جہاز جو نہر سویز کے مصری حکام کو منظور شدہ کرنسی میں کرایہ دیں گے وہ گزر سکتے ہیں۔"

امریکہ اور یورپ کی بحری طاقتوں نے جو نہر سویز کے بند ہونے سے نقصان میں تھیں حجت سے یہ شرائط منظور کر لیں۔ برطانیہ اور فرانس کچھ دن اڑے رہے۔ آخر وہ بھی صدر ناصر کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

صدر ناصر مرحوم جب تک صدر رہے۔ اسرائیل کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ نہر سویز کو قومی ملکیت میں لینا ان کا بڑا کارنامہ تھا۔ وہ متحدہ عرب جمہوریہ ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیائے عرب میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے مشن کے لیے وقف کر دیا تھا جس میں دفاع کو طاقت ور بنا کر عوام کی زندگی کو بہتر اور ان کے وطن کی آزادی کو محفوظ کیا جائے۔ قومی آزادی استحکام اور سماجی انصاف اور بھلائی میں پیش پیش رہے۔ مغربی سامراج اور ان کے حواری حلقوں کو ناصر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہا اور وہ ہمیشہ ناصر دشمنی کے متعدی مرض میں مبتلا رہا۔

علامہ اقبالؒ اور قرآن مجید

محمد حنیف قیّوم، ایم اے

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اسلامی تعلیمات کو کیا سمجھا اس کا اظہار وہ ایک خطبے میں یوں کرتے ہیں — "میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام، اسلامی فقہ، سیاست، تہذیب، تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے میرا خیال ہے کہ اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت جو مجھے اسلامی تعلیمات سے رہا ہے میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالم گیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔" (خطبہ مسلم لیگ اجلاس الٰہ آباد۔ ۲۹ر دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء)

پھر ایک مقام پر علامہ صاحب نے فرمایا "شوق میرا مرشد ہے۔ ایک مدت سے عام مطالعہ ترک کر چکا ہوں۔ پڑھتا ہوں تو حرف قرآن یا مثنوی مولانا روم۔"

ذرا غور فرمایئے مغرب کا فلسفہ پڑھنے والے کو سب سے زیادہ کونسی چیز متاثر کرتی ہے۔ صرف قرآن مجید اور مثنوی مولانا روم رح — اقبال کا کلام بھی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اقبال کے کلام کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کرنے والے کو اسلامی تعلیمات سے آگاہی ہو۔ اس کے متعلق انہوں نے خود بھی فرمایا ہے۔

— "میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔" (پروفیسر آل احمد کے نام)

اسلامی تعلیمات کے احیاء کے سلسلے میں انہوں نے فرمایا میری آرزو ہے کہ میں اپنے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں پر دین کے اسرار منکشف کر جاؤں تاکہ وہ دین کے قریب آجائیں۔ (بروایت سید عبداللہ)

علامہ اقبال اپنے احباب کو بھی قرآن کی تلاوت کی تلقین کیا کرتے تھے چنانچہ حکیم عرشی کو خط لکھا جس میں ان کو قرآن کے مطالعہ کو دائماً جاری رکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے — "بہر حال قرآن اور مثنوی کا مطالعہ جاری رکھئے مجھ سے بھی کبھی کبھی ملتے رہئیے اس واسطے نہیں کہ میں آپ کو کچھ سکھا سکتا ہوں بلکہ اس واسطے کہ کہ ایک قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتی (ملفوظات اقبال)

علامہ اقبال کے قلب و جگر میں دین ہی کا سوز تھا۔ آپ قرآن کی تعلیم کو عام تام کرنا چاہتے تھے اگرچہ انہوں نے نقید المثال (UNIQUE) کوشش کی ہے مگر پھر بھی اپنی سعی کو ناکافی سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں اور تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ دماغی صلاحیتوں سے نوازا۔ مگر انہوں نے ان دماغی صلاحیتوں کو یورپی فلسفہ پڑھنے میں صرف کر دیا اگر وہ ان صلاحیتوں کو دین کی خدمت کرنے میں صرف کرتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں — میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ پڑھنے میں گذاری۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قوائے دینی علوم کے پڑھنے کے لیے صرف ہوتے تو میں آج خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کی کوئی خدمت کر سکتا۔ (روزگار فقیر)

جیسا کہ میں نے اوپر اظہار کیا ہے کہ علامہ اقبال قرآن کو ہی نوع انسان کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے تھے اس کے متعلق آپ نے فرمایا — "مثنوی (اسرار خودی) کسی زمانہ حال کے مصور کی لکھی ہوئی نہیں جو اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ میں قرآن جیسی عبارت لکھ سکتا ہوں بلکہ ایک مسلمان کی لکھی ہوئی ہے جس نے قرآن سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی تعلیم کو ہی نوع انسان کی نجات کا باعث تصور کرتا ہے (اسرار خودی ماخوذ از مقالات)

علامہ اقبال کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ ان کی نئی پود اسلامی تعلیمات سے سرشار ہو۔ مگر نئی پود کی اسلامی تعلیمات سے بے رغبتی نے ان کو بے حد کبیدہ خاطر کر دیا تھا۔ جس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں۔

"اسلامی و مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔"

علامہ اقبال ان لوگوں کے نظریے کو مبنی برحق تصور کرتے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کا آغاز قرآن پر رکھا اس کے متعلق ۲۱ر مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں:

"وہ لوگ جنہوں نے تعلیم کا یہ اصل الاصول قائم کیا تھا وہ ہمارے مقابلہ میں قوم کی ماہیت و نوعیت سے زیادہ باخبر تھے۔"

علامہ اقبال قرآن کی تلاوت خوش الحانی سے کیا کرتے تھے وہ سحر خیز اور شب بیدار بھی تھے۔ وقت سحر تجلیات الٰہی کا وقت ہوتا ہے اس وقت وہ پرسوز آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ قرآن کی تلاوت سے ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ زندگی کے آخری ایام میں آواز کی خرابی کے باعث وہ خوش الحانی سے تلاوت نہیں کر سکتے تھے مگر جب کسی خوش الحان کو قرآن پڑھتے سنتے تھے تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ اقبال اس بات کے بھی قائل تھے کہ اگر قرآن کو وہ حضرات بھی پڑھیں جو اس کے معانی و مطالب کے مفہوم سے نا آشنا ہیں تو قرآن ان کی بھی تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے اس سلسلہ میں ایک بزرگ نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں۔

"قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں۔ خلوص دل کے ساتھ محض قرأت ہی کافی ہے۔"

قرآن کے متعلق علامہ اقبال سے ایک تعجب خیز معاملہ پیش آیا.......... ایک دفعہ فارمن کرسچن کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے پوچھا۔ آپ کے نزدیک آپ کے نبیؐ پر قرآن کا مفہوم نازل ہوتا تھا جسے وہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے یا الفاظ بھی نازل ہوتے تھے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

"میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔ قرآن کے مطالب ہی نہیں الفاظ بھی الہامی ہیں۔"

ڈاکٹر لوکس نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا آپ جیسا عالی دماغ فلسفی الہام لفظی پر کیوں کر اعتقاد رکھتا ہے آپ نے فرمایا میں اس معاملہ میں کسی دلیل کا محتاج نہیں مجھے خود اس کا تجربہ ہے میں پیغمبر نہیں محض شاعر ہوں۔ شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اترنے لگتے ہیں اور میں انہیں بعینہٖ نقل کر لیتا ہوں۔ اگر ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اس میں تعجب کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی پوری عبارت لفظ بہ لفظ نازل ہوئی تھی۔

علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس کے کمال کو علمی طور پر ثابت کیا جائے کہ حیات انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے — اسی طرح سید سلیمان ندوی کے نام ایک اور مکتوب میں ان کو لکھتے ہیں یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم میرا مسلک وہی ہے جو قرآن کا ہے۔"

علامہ اقبال نے ایک دفعہ فلسفے کے تلامذہ سے فرمایا:

"قرآن کو اس زاویہ نگاہ سے مت پڑھو کہ اللہ تعالیٰ سے میرا کیا رشتہ ہے اور کائنات میں میرا کیا مقام ہے۔ بعض لوگ اس زعم کے جبر میں ہیں کہ اسلام فقط پوجا پاٹ اور ورد و وظائف کا ہی مجموعہ ہے زندگی کے دوسرے معاملات میں راہ نمائی نہیں کرتا۔ علامہ اقبال کا یہ خط جو انہوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا اور اس میں اس بات کو واشگاف الفاظ میں کہا کہ اسلام انسان کی صرف اخلاقی اصلاح ہی نہیں کرتا بلکہ انسان کی اجتماعی زندگی میں مکمل اور کامل انقلاب لاتا ہے ان کے یہ الفاظ ان حضرات کے نظریہ کی بیخ کنی کے لیے کافی و وافی ہیں جو یہ تصور کرتے ہیں کہ اسلام اجتماعی زندگی میں رہنمائی کرنے سے قاصر ہے — چنانچہ علامہ فرماتے ہیں — جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے

علامہ اقبال قرآن کی معیشت کے متعلق فرماتے ہیں۔

قرآن صرف الٰہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں انسان کے معاشی مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ پھر فرمایا، جس قدر انسان کا ذوق و وجدان اور اخلاق و روحانیت ترقی کرتے جائیں گے اسی قدر اس پر قرآن کے مطالب آشکار ہوتے جائیں گے — علامہ اقبال نے مسلمانوں میں آزادی کی روح کو پھونکنے کے لیے اپنے جگر کا خون دیا ہے وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا خطہ حاصل کریں جس کے افراد کا شعار تقویٰ و طہارت ہے جس کے باشندوں کا قانون قرآن ہو۔ جو اسلامی زندگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں وہ کانفرنسوں اور اجتماعوں میں قرآن کو ہی ایک دستور کی حیثیت سے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ دوسری گول میز کانفرنس ہونے والی تھی، اقبال صاحب بھی اس میں شرکت کر رہے تھے کسی اخبار کے نمائندے نے علامہ سے استفسار کیا کہ آپ راؤنڈ ٹیبل میں جا رہے ہیں، بتائیے تو سہی! وہاں آپ کیا کریں گے؟ اس پر اقبال نے ایک مختصر مگر جامع جواب دیا کہ بھئی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف قرآن ہے جس کو پیش کروں گا۔

علامہ اقبال کو لوگوں کا قرآن کے ساتھ یہ سلوک بڑا ناگوار گذرتا تھا کہ وہ قرآن کو حریر و سمور کے غلافوں میں بند کر کے اونچی جگہ پر رکھ چھوڑیں اس پر غور و خوض نہ کریں اس پر عمل نہ کریں۔

قرآن کو عملی چیز تصور کرنے کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے ان ایام میں حکومت لوگوں میں زمین تقسیم کر رہی تھی۔ پنجاب کے ایک پیر اس بات کے متمنی تھے کہ اس زمین سے ان کو بھی کچھ مل جائے اس کے لیے وہ علامہ کے پاس آئے اور درخواست لکھنے کی فرمائش کی۔ علامہ صاحب نے فرمایا درخواست لکھنے میں تو مجھے کوئی عار نہیں مگر آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس درخواست کو کہاں پیش کیا جائے گا۔ پیر صاحب کے ذہن میں کوئی بات نہ آئی اور وہ عالم سکوت ہی میں رہے۔ ان کے توقف پر علامہ نے خود ہی فرمایا۔ میاں! ایک کتاب ہے جو قرآن کے نام سے موسوم ہے اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا یہ کتاب بتلاتی ہے کہ زمین کا مالک صرف خدا ہے اور کوئی مالک نہیں وہ صرف اس کی ہی ملکیت ہے سو اب اگر تم چاہتے ہو تو میں آپ کو درخواست لکھ دیتا ہوں۔

اسلام انسان کی ذاتی خواہشات کا قلع قمع کرتا ہے وہ اس کو حکومت و سطوت کی اطاعت سے بے نیاز کر کے صرف اللہ کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے وہ فقط یہ چاہتا ہے کہ تمام انسان خدا کے منقاد و مطیع اور فرمانبردار بن جائیں وہ چاہتا ہے کہ لوگ ذاتی خواہشات کی بنا پر حکومت کی اطاعت نہ کریں بلکہ وہ صرف اگر کسی حکومت کی اطاعت کریں تو اس حکومت کی جو اسلامی ہو کیونکہ اسلامی حکومت کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

اسلام کا معاشی نظام مضبوط و مستحکم ہے اس کی حکومت میں کوئی شخص بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا، یہ وہ سوشلزم سے کروڑ درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسلام اور سوشلزم کا تقابلہ علامہ اقبال نے بڑے دلکش پیرایہ میں کیا ہے۔ جہاں سوشلزم پر ایک چبھتا ہوا نشتر بھی لگایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

سوشلزم کے معترف ہر جگہ مذہب اور اس کی روحانیت کے مخالف ہیں وہ مذہب کو افیون تصور کرتے ہیں لفظ افیون سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مسلمان ہی مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسان کی مادی تاریخ بالکل غلط ہے روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے مفہوم کا جس کی تشریح جا بجا میں نے اپنی تحریروں میں کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی جو روحانیت میرے نزدیک مبغوض ہے یعنی افیونی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے جس سے مسلمانوں نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔

اس تحریر میں علامہ صاحب نے مذہب اور سوشلزم کا تضاد بھی بیان کیا ہے اور اسلام کے عظیم معاشی نظام کی اشارتاً نشاندہی بھی کی ہے۔

اسلامی تعلیم ہی انسان کے اندر بلند نظری اور خودداری کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اسلامی تعلیم کے ذریعے ہی انسان کے اندر انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم ہی مسلمان کے قلب و جگر کو تبدیل کر کے ان کو ایک پاکیزہ و مطہر سانچے میں ڈھالتی ہے ایسے سانچے میں جہاں اخلاق بھی ہے خودداری اور بلند حوصلگی بھی ہے، کردار کی خوبیوں کا احساس بھی ہے علامہ اقبال نے دینی تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے وہ انجمن حمایت اسلام پر یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ان کو کن مقاصد کے لیے کام کرنا چاہیے اور کیسی تعلیم دینی چاہیے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

مسلمان نوجوانوں کی تعلیمی اساس اگر دینی اور اخلاقی نہ ہو تو ان میں سیر چشمی، بلند نظری اور خودداری کے اوصاف حسنہ نہیں پیدا ہو سکتے۔ جو اسلامی سیرت کے لیے مابہ الامتیاز ہیں۔ علامہ اقبال عورت کی اسلامی تعلیم کے قائل تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان زن ان حدود و قیود میں ہی رہے۔ جو قرآن نے متعین کی ہیں کیونکہ وہ ان حدود ہی میں عورت کی فلاح و بہبود سمجھتے تھے۔ ۱۰ / ۱۲ر مارچ ۱۹۳۱ء میں لاہور میں آل انڈیا مسلم کانفرنس ہوئی جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی جہاں انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔

مسلمان عورت کو بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہیے جو اسلام نے اس کے متعلق مقرر کر دی ہیں اور جو حد اس کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کے لحاظ سے اس کی تعلیم ہونی چاہیے — علامہ اقبال کے بیشمار ایسے اشعار ہیں جن میں انھوں نے قرآنی اسرار و رموز کو منکشف کیا ہے۔ علامہ اقبال کی ایک تصنیف تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ہے جس میں دوسری باتوں کے علاوہ قرآنی تعلیمات کا عکس بھی پیش کیا ہے انھوں نے ایک مقام پہ قرآن کی اس آیت ھو الاوّل و الاٰخر والظاھر والباطن کا اقتباس یوں پیش کیا ہے — ہمارے ذہن اور خارجی محسوسات مسلسل ایک حقیقت کے مختلف آیات ہیں جو اوّل و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی۔

اس کتاب میں انھوں نے ایک ناقدانہ بحث بھی کی ہے وہ اس بات کی شکایت بھی کرتے ہیں کہ بعض علماء نے قرآن کا مطالعہ فلسفہ یونان کی روشنی میں کیا ہے حالانکہ یونانی فلسفہ (PHILOSOPHY) اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی ضد ہے اس کے متعلق علامہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

علماء اسلام نے قرآن کا مطالعہ بھی فلسفہ یونان ہی کی روشنی میں کیا مگر یہ بات کہ تعلیمات قرآن کی روح یونانیت کے سر تا سر خلاف ہے۔

علامہ اقبال نے کچھ اشعار ایسے بھی کہے ہیں جن میں قرآن کی ابدیت کی تعریف کی ہے انھوں نے مسلمانوں کے لیے اس فراموش شدہ حقیقت کی دوبارہ تذکیر کی ہے ✦

ڈاکٹر اکرام الدین قدوائی

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

جسے غدر کا نام دے کر تاریخ مسخ کی گئی

نوّے سال بعد ہمیں غلامی سے نجات ملی ! !

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک اہم سال ۱۸۵۷ء ہے۔ اس سال اس ملک کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے غیر ملکی اقتدار اور غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزادی کی جنگ لڑی۔ یہ انگریز برصغیر پاک و ہند میں بحیثیت تاجر وارد ہوتے اور ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ کے عطا کردہ ایک چارٹر یا فرمان کے ذریعے انہوں نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مستقبل میں وہ کبھی اس وسیع و عریض خطۂ ارض پر قبضہ کر کے اقتدار بھی حاصل کر لیں گے لیکن شومئ قسمت سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے باعث ملکی انتظام پر مرکزی حکومت کی گرفت ڈھیل ہو گئی اور مختلف صوبوں میں صوبہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کر کے اپنی بالادستی قائم کر لی۔ اس طرح جب ملک لامرکزیت اور سیاسی انتشار کا شکار ہوا تو انگریز بھی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہ چوکے۔ مغل شہنشاہ فرخ سیر کے دورِ حکومت میں انگریزوں نے ۱۷۱۵ء میں بنگال میں تجارت کی اجارہ داری کا فرمان حاصل کیا اور اسی طرح کلکتہ اور مدراس کے قریب رہائش کی غرض سے علاقے بھی حاصل کر لیے۔ ان مراعات کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مغل دربار میں اپنا اثر و رسوخ بھی برابر بڑھاتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے ملک کی دیسی طاقتوں یعنی مرہٹہ، نظام حیدر آباد اور نواب کرناٹک سے دوستی بھی کر لی اور روابط قائم کر لیے اس طرح انگریز اپنی سیاسی حیثیت کو مستحکم کر کے دکن کی پیچیدہ سیاست میں شریک ہو گئے اور وہ اپنی شطرنجی چالوں سے کبھی ایک علاقے پر قبضہ کرتے تھے اور کبھی دوسرے کے حاصل کرنے کی خواہش کرتے تھے کبھی لڑ کر اپنی پرانی حد بندیوں کی توسیع کرتے اور کبھی ناجائز دباؤ ڈال کر یا معاہدوں اور صلحناموں کے ذریعے اپنے حلقہ اثر کا دائرہ بڑھاتے تھے۔ الغرض انگریزوں میں ملکی اقتدار حاصل کرنے کا سودا اس قدر سمایا ہوا تھا کہ ۱۷۷۰ء میں بمبئی کے گورنر نے کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا کہ :-

"اب ہمارے ایک ہاتھ میں تجارتی مال ہونا چاہیے اور دوسرے میں تلوار"۔

جن دنوں جنوبی پاک و ہند میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی سیاسی رسہ کشی نقطۂ عروج پر تھی۔ انہی ایام میں انگریزوں نے غدار خصلت میر جعفر کی سازش سے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال (اس میں بہار، اوڑیسہ اور آسام کے علاقے بھی شامل تھے) پر اپنے استبداد کے پنجے گاڑے اور ننگِ وطن بینی بہادر سنگھ کے ساتھ سازش کر کے ۱۷۶۵ء میں بکسر کی لڑائی میں نواب شجاع الدولہ کو ہرا کر اودھ (آگرہ اور دہلی چھوڑ کر موجودہ اتر پردیش) کا علاقہ اپنے زیر اثر لائے یہ دونوں خطے بہت زرخیز اور متمول تھے۔ اور پھر اپنی ملک گیری کی حکمت عملی پر کاربند ہوتے ہوئے ایک اور غدار اور ننگِ وطن میر صادق سے ساز باز کر کے ۱۷۹۹ء میں انہوں نے سرنگاپٹم فتح کیا۔ ٹیپو سلطان شہید ہو گئے اور ان کا سارا علاقہ انگریزوں کے تحت آ گیا۔

انیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی میں مسلمانوں کی ایک زبردست تحریک شروع ہوئی جس کے قائد سید احمد شہید رائے بریلوی تھے۔ وہ شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کے شاگرد رشید تھے اور ایک باعمل عالم تھے۔ ان کی تحریک کا مقصد مسلمانوں کے مذہبی احیاء کے ساتھ ساتھ ان کی دوبارہ سیاسی سربلندی بھی تھا۔ چنانچہ جب پنجاب و آس پاس کے علاقوں میں سکھوں کے حکمران رنجیت سنگھ کی جابرانہ حکومت نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو سید احمد شہید نے جہاد کا عزم کیا اور ابتدائی مہمات میں کامیابی بھی حاصل کی۔ اس کامیابی سے سکھ بدحواس ہو گئے اور انہوں نے پشاور کے حکمرانوں یار محمد اور سلطان محمد سے سازش کر کے بے خبری کے عالم میں بالاکوٹ کے مقام پر ۱۸۳۱ء میں مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین زیادہ تر شہید ہوئے۔ اس اچانک حملہ سے جہاد کی تحریک کو زبردست نقصان پہنچا لیکن پھر خواص و عوام میں دوبارہ جوش اور ولولہ پیدا ہوا اور مسلمانوں نے ملک و ملت کی آزادی کے لیے ازسرِ نو ۱۸۵۷ء کو تلوار اٹھائی مگر پانی سر سے گذر چکا تھا۔ سنبھالا لینے اور دوبارہ ابھرنے کی کوشش بارآور نہ ہو سکی۔ انگریزی استبداد سے چھٹکارا پانے کی یہ تحریک آزادی مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے۔

وطن پرستوں کے نزدیک یہ پہلی جنگ آزادی تھی۔ لیکن ان ہم وطنوں نے جن پر انگریزی اثرات نے جمود و تعطل طاری کر دیا تھا اس تحریک کو بعض سرپھروں کی کارروائی قرار دیا۔ اور اس سے علیحدہ رہ کر انہوں نے انگریز اور انگریز حکمرانوں کو مالی اور اخلاقی امداد پہنچائی تاکہ ان کے ذاتی اغراض پورے ہوں۔ اس طرح ہم وطنوں نے اپنوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر انگریزی استبداد کو برقرار رکھنے میں بڑی مدد دی۔ خود برطانوی حکومت نے حریت پسندوں کی اس جنگ کو غدر کا نام دیا تاکہ یورپ کی نظروں میں برطانیہ کی ساکھ نہ گر جائے۔ مگر جنگِ آزادی کی صحیح اور تفصیل خبریں کسی نہ کسی طرح یورپ پہنچ گئیں تو کارل مارکس چیخ اٹھا کہ پاک و ہند میں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور یہ کہ وہ محض ایک قومی بغاوت نہ تھی۔

برطانوی حکومت کے سول سروس طبقے کے ایک گروہ کی یہ رائے تھی کہ جنگ آزادی کے ہلکے پردے کے بجائے اس قدر گہرا اور بھاری پردہ ڈالا جائے کہ دنیا اس کو سرے سے بھول ہی جائے چنانچہ ایڈورڈ ٹامسن رقمطراز ہے کہ :-

"انگلستان اور ہندوستان کے مفادات کا اقتضا یہ ہے کہ اس بغاوت کی تلخ یاد کو ہمیشہ کے لیے فراموش کر دیا جائے۔ ہمیں اس زہریلے کنوئیں کو پاٹ دینا چاہیے اور خوش قسمتی سے اس وقت ایک کثیر تعداد ایسے ہندوستانیوں اور انگریزوں کی ہے جو نہایت دیانتداری سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ کس طرح غدر کے رنجیدہ واقعات کی یاد کو ہمیشہ کے لیے تاریخ کے صفحات اور انسانوں کے قلوب سے محو کر دیا جائے ہمارے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم کچھ سال اور انتظار کی پالیسی پر عمل کریں یہاں تک کہ وہ انسان ہی رحلت کر جائیں جن کے دماغوں میں غدر کی تلخ یاد کا ذخیرہ موجود ہے"۔

لیکن برطانوی حکومت ہی میں ایک ایسا انصاف پسند طبقہ تھا جو اس جنگ آزادی کو آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس نازیبا طرزِ عمل کا نتیجہ سمجھتا تھا جو اس کے کمشنروں نے عوام اور شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔ لہٰذا اس طبقہ کی یہ رائے تھی کہ ان واقعات کی چھان بین کر کے آپس کی غلط فہمیاں دور کی جائیں تاکہ آئندہ احتیاط رہے۔ چنانچہ جب پہلی بار ایک ہندوستانی قوم پرست وی۔ ڈی۔ ساورنے ۱۹۰۹ء میں اپنی کتاب "پہلی جنگ آزادی" لکھی اور ۱۸۵۷ء کے غدر کو جنگ آزادی قرار دیا تو حکومت نے اس کتاب کو ضبط کر لیا۔ اس پر ایڈورڈ ٹامسن نے احتجاج کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :-

"میرے نزدیک یہ نہایت ہی نامناسب ہے کہ گورنمنٹ نے ساورکر کی تاریخ کو بحق سرکار ضبط شدہ قرار دے دیا ہے لیکن اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ اس لڑائی کے بعض

حالات پر پردہ پڑا ہے تو ہمارے لیے یہ لازم ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے نقطۂ نظر کو بھی اپنی تاریخ میں جگہ دیں۔"

خود وزیر اعظم انگلستان لارڈ سرشیلے نے اپنی ۲۰ر جولائی ۱۸۵۷ء کی تقریر میں اس واقعہ کو قومی بغاوت قرار دیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ :-

"مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ محض قومی تکلیف کی بنا پر یہ بغاوت نہیں ہوئی تھی بلکہ درپردہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھے تھے۔"

بعض نیک دل اور حق پسند انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے واقعہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تحریر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ مسٹر بکلے لکھتا ہے کہ :-

"اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جا سکتی ہے تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بغاوت تھی۔"

ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا ہے کہ :

"انہوں نے بغاوت میں حصہ لیا تو کسی ادنیٰ مقصد سے نہیں لیا۔"

اس بیان کی تصدیق جی بجینڈی نے اس طرح سے کی ہے کہ :-

"جن کو ہم نے گرفتار کیا تھا ان میں سے بہت سے تو اسی وقت ختم ہو گئے لیکن آخروقت تک ان کے چہروں سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے جو اس سے کسی بڑے مقصد کے شایان شان علامات تھیں۔"

وی۔ ڈی۔ ساورکر کے بعد اسی صدی عیسوی میں جب برطانوی حکومت کی چولیں ڈھیلی ہو رہی تھیں ایک اور قوم پرست اشوک مہتا نے حوصلہ کر کے "۱۸۵۷ء عظیم بغاوت" کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کیا اس کتابچہ میں اس نے "غدر" کی قومی حیثیت کو بیان کیا ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہندوستانی سپاہی "بغاوت" کی پشت پر تھے اور وہ اپنے وطن کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ "بغاوت" آگ کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچی اور قریب قریب ہر جگہ اسے عوام کا پورا تعاون حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ بعض ایسے مقامات بھی تھے جہاں عوام کے حوصلوں کی وجہ سے سپاہیوں میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ جن لوگوں نے حکومت کا ساتھ دیا ان کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا اور جو لوگ کھل کر باغیوں یا مجاہدوں کی مدد نہیں کر سکتے تھے انہوں نے خفیہ طور پر حکومت کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

یہ کہا جاتا ہے کہ اس بغاوت میں عوام کی شرکت کا تناسب کم تھا۔ اس لیے یہ جنگ آزادی نہیں تھی لیکن یہ لوگ شاید یہ بات بھول جاتے ہیں کہ امریکہ نے برطانیہ کے خلاف ان کے تسلط کو ختم کرنے کے لیے جو جنگ ۱۷۷۵ء — ۸۳ء کے دوران لڑی تھی اس میں ۲۵ فیصد آبادی نے حصہ لیا تھا باقی سارے کارنامے فوج نے انجام دیے تھے۔ لیکن اسے امریکہ کی جنگ آزادی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس "عظیم بغاوت" کے دوران مارے جانے والوں میں سپاہیوں اور عوام کی تعداد برابر تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جنرل ہیولاک کو کانپور میں دریائے گنگا عبور کرنے کے لیے نہ تو کشتیاں مل رہی تھیں اور نہ ملاح۔ کام کرنے کے لیے اجرت پر جو مزدور رکھے جاتے تھے وہ سارے کے سارے رات کی تاریکی میں خاموشی سے بھاگ نکلتے تھے۔

"بغاوت" کی قومی حیثیت کی ایک بین دلیل یہ بھی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی اشتراک عمل موجود تھا۔ جسے برطانوی حکومت اپنی تمام کوششوں کے باوجود نہ توڑ سکی۔ ہندوؤں کو مطمئن کرنے کے لیے تاجدار مغلیہ بہادر شاہ ظفر نے گاؤکشی کو سارے ملک میں ممنوع قرار دے دیا اور اس نے راجپوتانہ کے تمام راجاؤں کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ :-

"جس طرح بھی ممکن ہو فرنگیوں کو برصغیر سے نکال دیا جائے اور سارا ملک آزاد کرا لیا جائے لیکن یہ جنگ آزادی اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ایک فرد واحد ملک کے تمام مختلف عناصر میں باہمی اتحاد و تعاون پیدا کر کے اس کی رہنمائی کرے۔ فرنگیوں کے ملک چھوڑ دینے کے بعد میری ذرا بھی خواہش نہ ہو گی کہ میں خود برسر اقتدار رہوں بلکہ میں اس اقتدار کو دیسی حکمرانوں کی ایک (نیم وفاقی حکومت) CONFEDERACY کو منتقل کر دوں گا جو اس مقصد کے واسطے منتخب کی جائے گی۔"

بہادر شاہ ظفر کی للکار پر نانا صاحب نے کانپور سے مغل حکمران کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔ اور جنرل بخت خاں کو ان کی خدمت میں بھیجا مگر دہلی دربار کی سازش کے باعث یہ منصوبہ ناکام رہا۔

جو کچھ بھی ہوا۔ بہرحال یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ ۱۸۵۷ء کا واقعہ غدر نہ تھا بلکہ ایک عظیم بغاوت یا جنگ آزادی تھی مسلمانان پاک و ہند اس تحریک میں دو عظیم مقاصد کی خاطر شریک ہوئے تھے۔ ایک پاک و ہند کی کامل آزادی اور دوسرے سلطنت اسلامیہ کا احیاء لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جب کوئی قوم ایک مرتبہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جاتی ہے تو اس کا چھٹکارا آسانی سے نہیں ہوتا۔ آزاد قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ تاہم ۱۸۵۷ء کی جدوجہد مکمل طور پر ناکام نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ اس جنگ آزادی کے پورے نوّے سال بعد مسلمانوں کو پاکستان ملا اور وہ انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے ایک آزاد اور زندہ قوم بنے اور آج ایک باعزت قوم کی زندگی بسر

بقیہ: اسلامی عقائد و عبادت کی تاریخ

وضو کو فرض قرار نہیں دیا گیا تھا۔ وضو کی فرضیت بھی مدینے میں ہوئی ۹ھ ہجری میں حج فرض ہوا۔ سب سے پہلا حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں اسی سال ادا ہوا اس میں تین سو صحابہ شریک ہوئے تھے ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معہ ایک لاکھ ۱۴۴ ہزار صحابہ حج ادا فرمایا۔ آپ کی حیات میں یہ آخری حج تھا اس لیے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تین ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی

چور اور راہزن اسلام کی نظر میں

اس باب میں اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ مگر کچھ لوگ نصاب کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے پیشِ نظر قرآن پاک کی آیت ہے۔ جس میں کوئی قید نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں تھوڑا یا بہت جو بھی مال چوری کرے، ثبوت بہم پہنچ جانے پر اس کا ہاتھ گٹے سے اتروا لیا جائے گا مگر جمہور نصاب کے قائل ہیں۔ گو اس باب میں اختلاف ہے کہ چوری کا کیا نصاب ہے؟ جس پر قطع ید کی سزا جاری کی جائے گی۔ اہلِ حجاز اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ربع دینار (چوتھائی اشرفی) یا تین درہم کم از کم چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم پر نہیں۔ دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

لاتقطع ید السارق الا بربع دینار فصاعداً

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ باب السرقہ)

”چور کا ہاتھ چوتھائی اشرفی یا اس سے زیادہ پر کاٹا جائے گا ورنہ نہیں۔“

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ایک چور کا ہاتھ کاٹا۔ جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب چوری کا نصاب دس درہم فرماتے ہیں کہ اس سے کم کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا نہ جائے گا۔ یہ حضرات اپنی دلیل میں عمرو بن شعیبؓ اور عبداللہ بن عباسؓ والی روایت پیش کرتے ہیں۔ جس میں بیان ہے ــ مجن (ڈھال) کی قیمت عہد نبویؐ میں دس درہم تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجن کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

بہر حال ذخیرۂ حدیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کم از کم تین درہم یا ربع دینار (چوتھائی) اور زیادہ سے زیادہ دس درہم نصاب حدیث میں مذکور ہے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ دس درہم ایسا نصاب ہے۔ جس پر ہاتھ کاٹنے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اور غالباً احتیاط ہی کے پہلو ہونے کی وجہ سے احناف نے اسے اپنا مسلک بنایا ہے۔ ابن عربی کا قول ہے کہ:۔

”سفیان ثوریؒ نے فن حدیث میں اپنا بلند مقام رکھنے کے باوجود اسی کے قائل ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ اور آپ کا یہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ متفقہ طور پر محترم چیز بدن ہے اور ایسی محترم چیز اس وقت مباح نہیں ہو سکتی۔ جب تک لوگوں کا اجماع اور اتفاق نہ ہو۔ اور دس درہم ایسا نصاب ہے جس پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔“

پس معلوم ہوا کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی چوری پر اسلام چور کو معاف نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا حکم ہے کہ چور کا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ ڈالا جائے اور چونکہ صرف سزا مقصود ہے اس لیے گٹے پر ہاتھ کاٹنے کے بعد داغ دیا جائے کہ خون بند ہو جائے۔ جسم کا سارا خون گرنے نہ پائے اور عوام و خواص کی عبرت کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ چور کا جو ہاتھ کاٹا جائے اسے اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ کا بیان ہے کہ ایک چور دربارِ نبویؐ میں حاضر کیا گیا۔ چنانچہ ثبوت یا اقرار بہم پہنچنے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اور پھر آپ نے حکم فرمایا تو اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سزا چور کی مقرر کی ہے۔ اگر دنیا والے اس کو اپنا لیں تو دنیا سے چند مہینے میں چوری کا جرم یقینی طور پر بند ہو جائے۔ ایک دفعہ ہندوستان کے وزیر خارجہ ڈاکٹر سید محمود صاحب دورہ کرتے ہوئے جب حجاز پہنچے تو وہ یہ سن کر دنگ رہ گئے کہ یہاں چوری کی وارداتیں نہ ہونے کے درجہ میں ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ وجہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ اسلامی قانون کی برکت ہے۔

ہاتھ کی حفاظت

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ایک طرف ہاتھ کی حفاظت اور اس کی اہمیت کو بتایا ہے۔ تو دوسری طرف مال کی حفاظت اور اس کی اہمیت کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ ہاتھ کی قیمت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالے گا تو اس کی دیت اس پر پانچ سو دینار (اشرفی) آئیگی مگر دوسری طرف امن و امان اور مال کی قیمت یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کا صرف دس درہم ہی کیوں نہ چوری کر لے۔ اسلام کا حکم ہے کہ اس کا پہونچا اتروا لیا جائے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ بعض بے دینوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور انہوں نے اعتراض کیا کہ جس ہاتھ کی دیت پانچسو دینار ہے۔ اس کو صرف دس درہم کی وجہ سے کیونکر کاٹا جائے گا۔ یہ تو عجیب و غریب بات ہے۔ بعض شاعروں نے اپنے شعر میں اس کا مذاق اڑایا ہے۔ علماء نے جب سنا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اعتراض بے عقلی کی وجہ سے ہے۔ ہاتھ کی امانت و صیانت نے اس کو گراں بنا دیا۔ اور اس حد تک کہ اس کی دیت پانچ سو دینار قرار دی مگر جب اسی ہاتھ نے مال میں خیانت اور چوری کا ارتکاب کیا تو اس خیانت اور چوری نے اس کی ساری وقعت خاک میں ملا دی اور دس درہم بھی اس کی قیمت باقی نہ رہی۔ کسی نے کہا کہ مظلومی میں بیش قیمت قرار دیا گیا کہ اسی کا مستحق تھا مگر جوں ہی وہ ظلم پہ اتر آیا تو پھر وہ رب العزت کی نظر میں ذلیل و خوار بن کر رہ گیا۔

سوچنے کی بات بھی ہے کہ جو امن و امان کو برباد کرتا پھرے، لوگوں کے اطمینان و سکون کو خاک میں ملا دے اور دوسرے کے مال کو چرانے میں منہمک رہے۔ کیا اس کی سزا بھی ایسی ہی نہ ہونی چاہیے جو اس کو اس بری حرکت سے ہمیشہ کے لیے روک دے ایک کا ہاتھ کاٹ دیے جانے سے اگر دس کا بھلا ہو اور سینکڑوں انسانوں کا امن واپس مل جائے۔ تو یہ سزا بجا ہی نہیں بلکہ ضروری ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم آیت سرقہ کے تحت اپنے تفسیری فوائد میں تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل ”سرقہ“ کی سزا ہے، تاکہ اسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے۔ بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دو چار ہی کی سزا پانے کے بعد چوری کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ــــ

آج کل ”مدعیان تہذیب“ اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا اس غیر مہذب دستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہیں تو طالبین تہذیب کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کے ”تہذیبی مشن“ میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا۔ جس پہ

کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر "قطع ید" سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی"۔

کسی سزا کو وحشیانہ کہنے سے پہلے اس کی نوعیت پر غور کرنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں جن پر شریعت مطہرہ میں حد مشروع کیا گیا ہے۔ اور وہ ایسے گناہ کے کام ہیں جن میں مختلف مفاسد جمع ہو جاتے ہیں کہ ایک طرف زمین میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں اور دوسرے انسانوں کا سکون و اطمینان چھنتا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی قلوب میں ان کا ایک داعیہ ہوتا ہے جو ہر وقت ابھارتا رہتا ہے اور ہر ایک ایسی بیماری ہوتی ہے کہ جس میں یہ رس بس گئی پھر اس کا مٹانا قدرت سے باہر ہو جاتا ہے اور ایک ایسا ضرر ہے کہ مظلوم اپنے اس جور کو دفع کرنے کی طاقت سے عام طور پر محروم ہوتا ہے لہذا ایسے گناہ کے ارتکاب پر صرف آخرت کے عذاب کی دھمکی کافی نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ سخت ملامت سے کام لیا جائے اور دردناک سے دردناک تکلیف میں مبتلا کیا جائے۔

انہی میں سے چوری بھی ہے کہ ایک آدمی جب جائز طور پر کمانے اور محنت کرنے سے بھاگتا ہے تو چوری کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے اور یہ بری عادت اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ جس سے زمین کا امن و امان ختم ہو جاتا ہے اور انسانوں کا سکون و اطمینان اور ان کا آرام و چین دم توڑ دیتا ہے۔ ایسی حالت میں سزا سخت کی بجائے نرم ہو تو انسانی آبادی تہ و بالا ہو جائے اور انسان عزت و ناموس سے محروم رہ جائے۔

قطع ید کی شرطیں

ہاں ہاتھ کاٹنے میں کچھ شرطیں ہیں۔ جن سے زیادتی کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ مثلاً چور عاقل بالغ ہو، ناطق ہو، آنکھ والا ہو، دس درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی چیز چوری کرے۔ وہ مال دوسرے کا محفوظ ہو جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو، چوری اعتراف سے ثابت ہو یا شرعی دلیل سے امام چور سے پوری حقیقت دریافت کر لے تاکہ غلط فہمی کا پورے طور پر ازالہ ہو جائے۔ اور جرم کھل کر ثابت ہو جائے۔ فقہ کی کتابوں میں "کتاب السرقہ" کے عنوان سے اس کی پوری تفصیل مذکور ہے کہ کہاں کاٹا جائیگا۔ اور کہاں ہاتھ کاٹنے سے پرہیز کیا جائے گا۔ یہاں صرف چند اصولی مسائل بیان کرنے تھے۔ اس لیے فقہی تفصیل سے پرہیز ہی کرنا مناسب معلوم ہوا۔

اب رہا فتنہ و فساد اور رہزنی۔ اس کے متعلق ارشاد ربانی ہے انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلافٍ او ینفوا من الارض ذالک لھم خزیٌ فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذابٌ عظیم (مائدہ، آیت ۳۳)

"ان کی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فتنہ و فساد کرنے کو دوڑتے ہیں کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ اس جگہ سے دور کر دیے جائیں یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے"۔

اس آیت میں بدامنی سے گو مفسرین نے رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے اور "اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" ان دونوں جملوں میں ان تمام برائیوں کو شامل کر لیا جائے۔ جو امن و سکون کو غارت کرتی ہوں اور ظلم و جور کو شہ دیتی ہوں۔ اس طرح رہزنی اور ڈکیتی بھی اس آیت کے ضمن میں داخل ہو جاتی ہے اور ارتداد کے فتنے، کفار کے حملے، قتل ناحق، لوٹ مار، مجرمانہ سازشیں اور مفسدانہ پروپیگنڈے ساری برائیاں آ جاتی ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ ان برائیوں کا ارتکاب کرنے والا ان سزاؤں میں کسی نہ کسی کا ضرور مستحق ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ اس آیت سے ڈاکو اور راہزن کے متعلق جو اسلامی نقطۂ نظر ہے وہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ صرف اسی آیت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کیا یہ اسلامی قوانین رہزنی اور بدامنی کو بیخ بن سے اکھیڑنے کے لیے کافی ہیں یا نہیں؟ اپنا خیال ہے کہ ہر منصف مزاج یہ ماننے پر مجبور ہوگا۔ کہ اسلامی قوانین دنیا میں جو امن و امان اور اطمینان و سکون بحال کر سکتے ہیں۔ اس کی طاقت کسی دوسرے قانون میں نہیں ہے۔

بقیہ: مولانا شمس الدین

کہ پاکستان میں حق و انصاف، جمہوری اقدار کی بحالی، ظلم و ستم کے خاتمہ اور کتاب و سنت کے آئین و قوانین کے نفاذ کے لیے بلوچستان کے عوام بڑی سے بڑی قربانی پیش کریں گے۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے سربراہ جانشین شیخ التفسیر

حضرت مولانا عبید اللہ انور نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں آپ کی اور اپنے تمام ساتھیوں کی طرف سے مہمان مکرم حضرت مولانا شمس الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمیں اپنے ارشادات عالیہ سے مستفید فرمایا۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ حق و صداقت کی اس جدوجہد میں آپ اکیلے نہیں ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں پنجاب کے بہادر اور باشعور سیاسی کارکنوں نے جبر و ناانصافی کے خلاف جس طرح حالیہ تحریک سول نافرمانی میں قید و بند اور تشدد و غنڈہ گردی کے مصائب و آلام برداشت کیے ہیں پنجاب اپنے سرحد و بلوچستان کے بھائیوں کے حقوق بحال کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کرے گا۔ فسوس آج جب کہ بڑے بڑے لوگ آمریت کے اس سیلاب میں بہہ گئے ہیں اور ان کی زبانیں سچی بات کہنے سے رک گئی ہیں آپ جیسے نوجوان علماء کا مظلوم و مجبور عوام کے ساتھ رہنا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و ملت اور وطن پاک کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق بخشے اور وہ دن جلد آئے جب پاکستان کے سارے عوام خوشحالی اور امن و چین کا ایک ساتھ سانس لے سکیں اور یہاں پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حکمرانی ہو۔ آمین ثم آمین

دعائے مغفرت

میری خالہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں چکلالہ راولپنڈی میں وفات پا گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون قارئین خدام الدین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور جملہ لواحقین کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

حاجی بشیر احمد

عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے مسائل

البانیہ کے مسلمان

:- سلیم الحق صدیقی :-

یورپین ترکی کو چھوڑ کر البانیہ جزیرہ نمائے بلقان میں یورپ کی واحد ریاست ہے جہاں مسلم اکثریت ہے اور مسلمانوں کی اکثریت حنفی المذہب و اہل السنت والجماعت ہے۔ البانیہ کا سرکاری اور قومی نام عوامی جمہوریہ شقی پیریا ہے جو یونان اور یوگوسلاویہ کے درمیان بحیرہ ایڈریاٹک کے کنارے واقع ہے۔ اور گیارہ ہزار ایک سو مربع میل کے علاقے پر مشتمل ہے اور آبادی بائیس لاکھ کے قریب ہے۔

البانیہ میں اسلام کی شمع پندرھویں صدی عیسوی میں روشن ہوئی۔ جب عثمانی ترکوں نے یہ علاقہ فتح کیا اس وقت سے یہ علاقہ خلافت عثمانیہ کے زیر اثر رہا۔ یہاں تک کہ یورپ کی عیسائی طاقتوں نے ۱۹۱۲ء میں ایک سازش کے ذریعہ البانیہ کو ایک آزاد ملک بنا دیا اور ایک عیسائی شہزادہ ولیم آف ویڈ کو البانیہ کا بادشاہ مقرر کیا یہ عیسائی بادشاہ چند ماہ بھی حکومت کرنے نہ پایا تھا کہ مسلمانوں نے بغاوت کر کے اس کو ملک سے نکال دیا یہاں تک کہ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی اور یہ ملک پھر یورپی طاقتوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ بین الاقوامی سیاست کے گورکھ دھندے سے نکلنے کے بعد ۱۹۲۰ء میں البانیہ ایک جمہوری ملک بن گیا ۱۹۲۵ء میں احمد زوگ صدر مملکت بنا اور ۱۹۲۸ء میں شاہ احمد زوگ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہ بادشاہت ۱۹۳۹ء میں اٹلی کے حملہ سے ختم ہو گئی اور بے چارا مسلم البانیہ پھر عیسائی طاقتوں کا غلام ہو گیا۔ ۱۹۴۴ء میں جرمنی اور اٹلی کی شکست کے بعد اتحادی طاقتوں کی غلطی و کوتاہی سے جرمنی اور اٹلی کے مفتوحہ علاقوں پر روس نے پیش قدمی کر کے قبضہ کر لیا اور وہاں کمیونسٹ عناصر کی تنظیم جو پہلے سے موجود تھی اس کی آڑ لے کر روس نے بلقان کی بیشتر ریاستوں میں کمیونسٹ حکومتیں قائم کر دیں۔ اس طرح البانیہ کے ایک کمیونسٹ انور ہوجا صدر مملکت بنے جن کی خارجہ پالیسی پہلے تو اسٹالن سے دوستی، رعب اور دبدبے کی وجہ سے روس کے ماتحت رہی۔ پھر اسٹالن کی موت کے بعد البانیہ روس کے اثر سے آزاد ہو کر چین کا ایک بہت قریبی دوست بن گیا۔

البانیہ کی موجودہ بائیس لاکھ کی آبادی میں سے تین چوتھائی مسلمان ہیں اور باقی گریک آرتھوڈاکس اور رومن کیتھولک کے عیسائی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ البانیہ کے تمام مسلمان ویسے تو حنفی سنی ہیں لیکن پندرہ فیصد کے قریب بکتاشی فرقے سے تعلق رکھتے جو ایک درویشوں کا مسلک ہے۔ ہمارے ملک میں جیسے اہل طریقت کے چار سلسلے ہیں۔ اسی طرح اس فرقے میں بھی چار سلسلے بنام قادری، رفعائی سعدی اور تجانی ہیں۔ ہر سلسلہ کی اپنی علیحدہ علیحدہ مذہبی تنظیم ہے۔ یہ لوگ اکثر پہاڑیوں میں اپنی خانقاہیں بنا کر رہتے ہیں۔ اور رہبانیت سے کافی متاثر ہیں اس فرقہ کا سربراہ داد ایعنی گرینڈ فادر کہلاتا ہے۔

البانیہ جب ۱۹۱۲ء میں ایک آزاد ملک بنا۔ تو دارالحکومت ترانہ کا مفتی اعظم تمام البانیہ کا مفتی اعظم اور مسلمانوں کا مذہبی سربراہ مقرر ہوا اور اس کی مدد اور معاونت کے لیے ایک شریعت کونسل تشکیل دی گئی۔ جس کے پانچ ممبر ہوتے تھے۔ اس شریعت کونسل کی ذمہ داری میں مسلم اوقاف کا انتظام مذہبی امور اور مدرسوں کی دیکھ بھال اور شرعی قوانین کی نگہداشت ہوتا تھا۔

۱۹۲۹ء میں شاہ احمد زوگ نے علماء کی ایک جنرل کونسل تشکیل دی۔ جس کے ممبران مختلف علاقوں کے علماء دین ہوتے تھے۔ یہ علماء کی جنرل کونسل مفتی اعظم البانیہ چار نائب مفتی اعظم اور کئی مفتیوں کا چناؤ کرتی تھی۔ یہ چار نائب مفتی اعظم البانیہ کے چار مرکزی شہروں۔ شکودر، ترانہ، کورسے اور جینوکاسٹر میں بیٹھتے تھے۔ اور اپنے اپنے علاقوں میں مسلمانوں کے تمام معاملات طے کرتے تھے۔ اور سابقہ شریعت کونسل کے تمام امور سرانجام دیتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کی فسطائی حکومت نے البانیہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے مذہبی امور میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ یہ لوگ مسلمانوں کا مذہبی اور دینی استحکام بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ اور اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں علماء کی جنرل کونسل سے فسطائیوں نے مفتی اعظم کونیہ کو معزول کرا دیا۔ اور ۱۹۴۳ء میں بکتاشی فرقے کے پیشوا نیازی دادا کو قتل کرا دیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو جائے اس کے بعد یعنی چند ماہ کے لیے البانیہ نازی جرمنی کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور پھر ہٹلر کی شکست فاش کے بعد روسیوں اور یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو کی مدد سے انور ہوجا کی زیر کمان کمیونسٹ حکومت قائم ہو گئی۔ جس نے آتے ہی سب سے پہلے البانیہ میں رائج اسلامی قوانین ختم کر دیے پھر ذرائع پیداوار کو قومیا لیا گیا۔ جس سے مسلم قوت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ البانیہ کی حکمران کمیونسٹ پارٹی کے اراکین بھی کیونکہ مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے تھے اور کچھ مسلم اکثریت کو بھی کسی طور برداشت کرنا تھا اس لیے نئے کمیونسٹ دستور کے تحت پھر مفتی اعظم اور جنرل کونسل بنا دی گئی۔ لیکن اس دفعہ مفتی اعظم اور علماء کی جنرل کونسل کا تقرر حکومت کے اختیار میں دے دیا گیا۔ اس طرح قانونی طور پر مسلمانوں کو اپنے مذہبی امور کے انتظام کا آزادانہ حق نہ رہا۔ اس دستور کے مطابق عجیب بات یہ کی گئی ہے کہ جہاں حنفی سنی مسلمانوں کو ایک الگ فرقہ قرار دیا گیا وہاں بکتاشی فرقے کے چار سلسلوں کو بھی علیحدہ علیحدہ چار مذہبی فرقے قرار دیا گیا۔ یعنی قادری، رفعائی، سعدی اور تجانی۔ اور ان کے دادا بھی علیحدہ علیحدہ مقرر کیے گئے۔

آج کل البانیہ کے مفتی اعظم حافظ سلیمان میرتو ہیں جو دینی مدرسوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور دینی کتب و رسائل کی نشر و اشاعت کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ لیکن سیکولر اور مارکسٹ نظام تعلیم سے ان کا سخت مقابلہ ہے۔ ان باتوں کے باوجود البانیہ کی روزانہ کی زندگی میں مذہب کا رنگ کافی نمایاں اور نئی نسل میں نماز روزہ جنہ ہونے کے برابر ہے توحید و وحدانیت کا تصور غالب ہے۔ البانیہ میں کمیونزم کی وجہ سے اسلام کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ لیکن اسلامی تمدن جو البانوی قوم کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے اس کو ختم کرنا ابھی ممکن نہیں اور نہ ابھی یہ ممکن ہے کہ البانیہ اسلام کی جگہ کارل مارکس، اینجلز اور لینن لے سکیں۔

بقیہ: اسلامی حکومت کا مقصد

جو خود اپنی نیند حرام کر دیں تاکہ ملت سکھ کی نیند سو سکے جو خود ان کی بنی ہوئی چارپائیوں اور چٹائیوں پر آرام کریں تاکہ ملت خسرو کے تخت پر آرام کرے تو یہ دنیا مسلمانوں کے لیے جنت نہ بن جائے؟

مسلمانو! غور کرو تمہارے موجودہ والی اور حاکم جو ہزاروں روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں جو افراد ملت کو بھوکا رکھ کر خود بیش قیمت لذیذ کھانے کھاتے ہیں جو قوم کو ننگا رکھ کر خود عورتوں کی طرح ریشمی لباس پہنتے ہیں یہ ان سلاطین جیسے نہیں ہیں جن کی نسل کی قاطع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار تھی۔

امانت فی الاموال کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت عمرؓ عمال سے تقرری کے وقت یہ عہد لیتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے۔ باریک کپڑا نہ پہنیں گے چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں گے۔ دروازے پر دربان نہ رکھیں گے تاکہ حاجت مندوں کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رہے اور ہر شخص داد خواہی کر سکے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ:- سچی کہانیاں

دنیا پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی اور تم سے مواخذہ ہوگا۔ لیکن سلطان نے جواب دیا۔ اب چاہے جو کچھ ہو میں آپ کے قدموں سے دور رہنا نہیں چاہتا۔ شیخؒ نے سلطان کو اپنا اتنا عقیدتمند پایا تو دہلی میں قیام کرنا گوارا کر لیا۔

طبی معلومات

ہم غذاؤں کے ذریعے بیماریاں خریدتے ہیں

استاذ الحکماء حکیم آزاد شیرازی (سابق پرنسپل طبیہ کالج) مدیر تذکرہ لاہور

آج سے تیس چالیس برس پیشتر شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جمعہ کے خطبات میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لاہور کے باشندے جو گوشت خریدتے ہیں۔ اس کا صحیح ذبیحہ ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ مذبح خانے میں جانوروں کو صحیح طور پر ذبح نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جو کپڑے دھلوائے جاتے ہیں۔ وہ صاف تو ضرور ہوتے ہیں لیکن پاکیزہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ دھوبی سے کپڑے دھلوانے کے بعد انہیں دوبارہ پانی میں ڈال کر پاکیزہ فرما کر پہنا کرتے تھے۔ بلکہ اکثر کپڑے گھر ہی میں دھوئے جاتے تھے۔

اُس زمانے میں وناسپتی گھی جسے عُرفِ عام میں ڈالڈا کہا جاتا ہے سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ دیسی گھی اکثر خالص دستیاب ہوتا تھا —— چائے نوشی سے لوگ ناآشنا تھے، دودھ، دہی، چھاچھ، مکھن سبھی اشیاء لاہور جیسے شہر میں بھی دستیاب ہو جاتی تھیں۔ دودھ میں پانی ملانے کو گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ آج دودھ سے کریم نکالنے کے بعد بھی نہ جانے کس کس جوہڑ کا پانی اور خشک دودھ کا پوڈر اس میں ملایا جاتا ہے۔ دیہات ہی نہیں بلکہ لاہور شہر میں اکثر گھروں میں چکیاں موجود تھیں۔ لوگ بازار سے آٹا خریدنے کے بجائے منڈی سے گندم خرید کر گھروں میں پیس کر آٹا بناتے تھے۔ بازار سے بھی آٹا خالص دستیاب ہوتا تھا۔ اس آٹے میں میدہ اور سوجی ہی نہیں بلکہ چھان بھی موجود ہوتا تھا جبکہ موجودہ آٹے میں کوئی شے موجود نہیں۔ پھر بھی اسے آٹا ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نمک، مرچ اور ہلدی کا استعمال بھی گھروں میں سالم حالت میں ہوتا تھا۔ اور اس طرح نمک میں پتھر، مرچ میں برادہ اور ہلدی میں مٹی کی ملاوٹ سے عام لوگ محفوظ تھے۔ لیکن پاکستان کے قیام کے فوراً بعد لوگوں نے راتوں رات امیر بننے کے جو خواب دیکھے تھے انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کے کاروبار نے بے پناہ ترقی کی۔

آپ آج بازار سے کوئی ایک خوردنی شے بھی خالص حالت میں کسی قیمت پر حاصل نہیں کر سکتے۔ ڈالڈا سے دیسی گھی، گلوکوز لیکوئیڈ سے شہد، روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے آٹا، پتھر سے نمک، برادہ سے مرچ، مٹی سے ہلدی، دالوں کے چھلکوں سے چائے تیار کرنے کے وہ وہ طریقے ہمارے تاجر پیشہ حضرات نے ایجاد کیے ہیں کہ اچھے اچھے اہلِ نظر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور خریدار حضرات یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے ان اشیاء کو دھڑا دھڑ خرید کر ملاوٹ کا کاروبار کرنے والوں سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں اور یہ میٹھا زہر خرید کر نت نئی بیماریاں مول لے رہے ہیں۔

عام اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کا یہ سلسلہ ادویات میں بھی چل رہا ہے۔ اور جب ایک طبیب کسی مریض کو کوئی نسخہ لکھ کر دیتا ہے۔ اور مریض بازار سے جعلی اور مصنوعی ادویات خرید کر دوائی تیار کر کے استعمال کرتا ہے تو صحتیاب ہونے کے بجائے کچھ اور ہی بیمار ہو جاتا ہے —— کستوری، مروارید، عنبر، زعفران، سلاجیت، طباشیر ایسی قیمتی ادویات ہی مصنوعی تیار نہیں کی جا رہیں۔ بلکہ رسونت، مصطگی رومی، گیرو وغیرہ ارزاں ادویات بھی مصنوعی دستیاب ہوتی ہیں —— اور ملاوٹ کو سنگین جرم قرار دینے کے باوجود یہ قبیح کاروبار برابر چل رہا ہے۔ چنانچہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایسی مفردات خالص حاصل کر سکے۔ بلکہ بعض اوقات طبیب حضرات بھی فریبِ نظر میں مبتلا ہو جاتے ہیں —

جہاں تک چائے اور ڈالڈا گھی کا تعلق ہے۔ میرا یقین ہے کہ فرنگی سامراج نے جس طرح چینیوں کو افیون کا میٹھا زہر دے کر ایک مردہ قوم بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسی طرح ہندوستانیوں کو اعصابی طور پر ناکارہ بنانے کی خاطر چائے اور ڈالڈا کے نشے میں مبتلا کیا۔ اگر ایک طرف، کالجوں کے قیام کے ذریعہ تعلیم کے نام پر نوجوانوں کا قتل عام کیا تو دوسری طرف چائے اور ڈالڈا کے ذریعے عوام الناس کو خودکشی پر رضامند کر لیا۔ اور جس طرح اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا یہ شعر صحیح ثابت ہوا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اسی طرح اقبال کا یہ شعر بھی چائے نوشی اور ڈالڈا کے استعمال پر صادق آتا ہے کہ ؎

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو نادان اُسے سمجھا کیا شاخِ نبات

مجھے خوب یاد ہے کہ آج سے چالیس برس پیشتر انڈین ٹی بورڈ کی ہندوستانی چائے شروع شروع میں صرف ریلوے اسٹیشنوں تک محدود تھی۔ لیکن اسے عوام الناس میں مقبول بنانے کی خاطر جہاں اشتہاری ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ وہاں ہر گھر کے دروازے پر دستک دے دے کر چائے مفت تقسیم کی گئی اور چھاچھ پینے والے لوگوں کے رگ و پے میں چائے کا میٹھا زہر یوں جاری و ساری کیا گیا کہ آج نہ صرف شہروں کے مہذب کہلانے والے لوگ چائے کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتے۔ بلکہ دیہاتی علاقوں میں بھی چھاچھ کی جگہ چائے کا دَور دَورہ ہے۔ جس کے نتیجے میں شوگر کے مریض بڑھتے جاتے ہیں۔

ڈالڈا گھی کو رائج کرنے کے لیے بھی دیسی گھی کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈا کیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں دیسی گھی سے نفرت پیدا کر دی گئی۔ اشتہارات اور فلموں کے ذریعے دیسی گھی کو ایک ناپاک غلیظ اور ناقابلِ استعمال مکروہ صورت میں پیش کیا گیا۔ اور ڈالڈا کو وٹامنز سے بھرپور غذا کے طور مشتہر کیا گیا۔ اور چائے کی طرح اسے بھی گھر گھر مفت تقسیم کر کے لوگوں کو اس کا عادی بنایا گیا۔ ڈاکٹر حضرات نے بھی دانستہ یا نادانستہ عام مریضوں اور خصوصاً دل کے مریضوں کو دیسی گھی کا استعمال شجر ممنوعہ قرار دے ڈالا۔ اور وٹامن اے۔ بی۔ سی۔ ڈی سے بھرپور ڈالڈا (جسے تیاری کے دوران ہاتھ نہیں لگایا جاتا وغیرہ اوصاف بیان کر کے) قوم کے رگ و پے میں سرایت کر دیا گیا ہے۔ اور اس طرح پاکستان کی نئی نسل کو اعصابی لحاظ سے بالکل ناکارہ بنایا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلے گا کہ دو چار پشت کے بعد پاکستان کی اکثریت نابینا افراد پر مشتمل ہو گی۔

ماہ رمضان میں پاؤ پاؤ بھر ڈالڈا حاصل کرنے کی خاطر روزانہ گھنٹوں قطاروں میں کھڑے ہونے والے حضرات کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اس میٹھے زہر کے بجائے دیسی گھی استعمال کریں۔ اور اگر خالص دیسی گھی کا ملنا دشوار ہو تو کولھو سے سرسوں کا تیل نکلوا کر استعمال کر لیں اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ڈالڈا استعمال کرنے والے ہر شخص کو کم از کم آدھ سیر پھل روزانہ استعمال کرنا چاہیے۔ اور کچی سبزیاں مولی، گاجر، شلغم، پالک وغیرہ بھی روزانہ استعمال کرنی چاہئیں۔ بلکہ دالوں اور گوشت کی نسبت سبزیاں زیادہ استعمال کریں۔ ایک آدمی کو پاؤ بھر اناج کے ساتھ آدھ سیر سبزی کھانا ضروری ہے۔ نیز روزمرہ بھیڑ بکریوں اور گائے بھینسوں کا گوشت کھانے کے بجائے ہفتہ میں ایک دو بار اپنی استطاعت کے مطابق مرغ اور مچھلی استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ زیادہ تر سبزیاں استعمال کریں۔

اسماء الرجال

دنیائے اسلام کے جلیل القدر محدث

ربیعۃ الرائی

مولانا محمد اسحاق بھٹی

جن کی وفات پر امام مالکؒ نے کہا:

اب فقہ کا مزا باقی نہیں رہا

قرنِ اوّل کی عظیم شخصیتوں میں ربیعۃ الرائی بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کنیت ابو عثمان اور لقب رائی تھا۔ باپ کا نام فروخ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ یہ آلِ منکدر کے غلام تھے۔

ربیعہ کی ولادت اور تعلیم و تربیت کے متعلق تذکرہ نگاروں نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ بنو امیہ کے عہدِ حکومت میں ایک مرتبہ فروخ مدینہ منوّرہ سے خراسان کی مہم پر گئے ان دنوں ربیعہ شکمِ مادر میں تھے ان کے پاس تیس ہزار درہم تھے جو انہوں نے گھر سے جاتے وقت بیوی کو دیے اور کہا میری واپسی تک اس رقم سے گھر کے مصارف پورے کیے جائیں۔

خراسان میں حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ وہ پروگرام کے مطابق جلدی واپس نہ آسکے اور متواتر ستائیس برس وہاں رہنا پڑا۔ ادھر فروخ کے جانے کے چند ماہ بعد بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام ربیعہ رکھا تھا۔ ربیعہ کی والدہ بہت سلیقہ شعار اور فہم و فراست کی مالک تھیں۔ انہوں نے بچے کی تربیت عمدہ طریق سے کی۔ اور اس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی دقیقہ سعی فروگذاشت نہ کیا۔ ربیعہ کچھ بڑے ہوئے تو ان کی تعلیم کا نہایت بہتر انتظام کیا اور جو سرمایہ ان کے پاس تھا سب بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے ایک معمولی غلام گھرانے کا یہ بچہ تعلیم کی انتہائی بلند منزلوں تک جا پہنچا۔

ستائیس برس بعد جب فروخ مدینہ منوّرہ واپس آئے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ربیعہ باہر آئے تو دیکھا کہ ایک شخص ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار ہے، ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے ہے۔ اور دروازہ کھلتے ہی اندر جانے کے لیے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ ربیعہ نے فروخ کو اجنبی اور حملہ آور سمجھا اور سخت لہجے سے کہا:

”اے اللہ کے دشمن! تو میرے مکان پر حملہ کرنا چاہتا ہے؟“

فروخ نے اسی لب و لہجہ میں جواب دیا۔ ”اللہ کے دشمن تم ہو جو میرے مکان میں گھسے ہوئے ہو۔“

ربیعہ: میں تم سے ابھی نمٹ لیتا ہوں، تمہارے ارادے خطرناک ہیں۔“

فروخ: تم میرے گھر کیوں آئے۔ میں اس مداخلتِ بے جا کا انتقام لوں گا۔“

ربیعہ: ”تم مجھے کمزور سمجھتے ہو جو میرے گھر پر حملہ کر رہے ہو؟“

فروخ: شاید تم نے مجھے بے غیرت سمجھ رکھا ہے جو میرے حرم میں آ بیٹھے ہو۔“

بات اتنی آگے بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے سے اُلجھ پڑے اور معاملہ زبان سے بڑھ کر دست و گریبان تک آ پہنچا۔ شور و ہنگامہ کی آواز سے ارد گرد کے لوگ جمع ہو گئے۔ محدثِ مدینہ امام مالک بن انسؓ بھی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے جو اپنے استاد ربیعہ کی مدد کو آئے تھے۔ ربیعہ اگرچہ اس وقت کم عمر تھے اور چھبیس ستائیس برس کے نوجوان تھے لیکن ان کی علمی شہرت کا حلقہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ امام مالکؒ جس وقت وہاں پہنچے اس وقت ربیعہ فروخ سے کہہ رہے تھے۔ ”تم نے مجھ پر سخت ظلم کیا ہے۔ خدا کی قسم میں تمہیں بادشاہ کے پاس لے جائے بغیر نہیں چھوڑوں گا“ اور ادھر فروخ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ”بادشاہ کے پاس تو تمہیں میں لے جاؤں گا۔ تم میری بیوی کے پاس اندر کیوں بیٹھے تھے۔“

اتنے میں امام مالکؒ ان کے قریب آ گئے انہیں دیکھ کر لوگ پیچھے ہٹ گئے اور خاموشی چھا گئی۔ امام مالکؒ فروخ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

”بھائی! آپ مسافر ہیں اگر یہ آپ کو جگہ نہیں دینا چاہتے تو کسی دوسرے گھر میں قیام کر لیجئے۔ آپ انہیں آخر کیوں تنگ کرتے ہیں۔“

فروخ نے جواب دیا۔ ”دوسرے گھر میں کیوں قیام کروں جبکہ یہ میرا ہی گھر ہے۔“

امام مالکؒ: ”یہ آپ کا گھر کیسے ہے۔ یہ تو مدینہ کے نامور محدث ربیعہ کا گھر ہے اور یہی اس پر قابض ہیں۔ وہ آپ کو کیوں اندر آنے دیں گے۔“

فروخ: جناب! آپ غلطی پر ہیں۔ اس گھر کا مالک میں ہوں نہ کہ یہ شخص۔“

امام مالک: آپ کا کیا نام ہے کہاں کے رہنے والے ہیں؟“

فروخ: میرا نام فروخ ہے۔ میں آلِ منکدر کا غلام ہوں اور مدینہ کا رہنے والا ہوں۔“

ربیعہ کی والدہ نے اندر کھڑے ہوئے یہ بات سنی تو تیزی سے باہر آئیں اور بولیں۔ ”ٹھیک ہے۔ یہ فروخ ہیں اور میرے شوہر ہیں۔ یہ ربیعہ ہیں جو میرے بیٹے ہیں۔ یہ دونوں اس گھر کے مالک ہیں۔ آج سے ستائیس برس قبل فروخ خراسان کی مہم پر گئے تھے۔ اس وقت ربیعہ میرے شکم میں تھے۔ اب یہ بفضلِ خدا جوان ہو گئے ہیں۔ آج تک نہ باپ نے بیٹے کو دیکھا ہے اور نہ بیٹے نے باپ کو!“

حقیقت واضح ہوئی تو باپ بیٹا دونوں بغل گیر ہوئے اور دونوں کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری ہو گئے۔ فروخ گھر میں داخل ہوئے اور ربیعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔ ”یہ میرا بیٹا ہے؟“

بولیں۔ ”ہاں! یہ تمہارا بیٹا ہے۔“

خیر خیریت کے بعد فروخ کی بیوی نے تیس ہزار دینار کی خطیر رقم کے بارے میں دریافت کیا جو وہ جاتے ہوئے اس کے حوالے کر گئے تھے اور ساتھ ہی کہا۔ ”یہ چار ہزار دینار اور لو۔“

بیوی نے کہا۔ ”وہ تیس ہزار دینار جو آپ مجھے دے گئے تھے میں نے دفن کر دیے ہیں لے لیجیے گا اتنی جلدی کیا ہے۔“

اتنے میں معمول کے مطابق ربیعہ گھر سے نکلے اور مسجد تشریف لے گئے۔ وہاں ان کے تلامذہ انتظار میں تھے۔ جاتے ہی درسِ حدیث شروع ہو گیا۔ جس میں امام مالکؒ بن انسؓ اور حسن بن زید بن علی ایسے اکابرِ مدینہ شامل تھے۔ ربیعہ کی والدہ نے جب دیکھا کہ درس کا وقت ہو گیا ہے تو فروخ سے کہا۔ جائیے نماز پڑھ آئیے۔ لیکن یاد رہے نماز مسجد میں پڑھیے گا۔

فروخ آئے، نماز پڑھی۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ دیکھا درسِ حدیث کا ایک بہت بڑا حلقہ قائم ہو گیا ہے۔ ایک نوجوان مسندِ درس پر بیٹھے ہیں اور سامنے بڑی بڑی عمر والے معزز حضرات بھی ہیں اور نوجوان بھی کثیر تعداد میں زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے ہیں۔ فروخ کو بھی درسِ حدیث سننے کا شوق پیدا ہوا۔ وہ قریب ہو گئے اور لوگوں نے اِدھر اُدھر ہٹ کر راستہ دے دیا۔ ربیعہ نے جب دیکھا کہ درس میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے تو گردن جھکا لی اور اس طرح محسوس کرایا کہ گویا باپ کو دیکھا ہی نہیں اور وہ ان کی آمد سے بے خبر ہیں۔ وہ بھی اس حالت میں ربیعہ کو نہیں پہچان سکے۔ درس

ہو رہا تھا۔ محدثین کا حلقۂ املائے حدیث میں مصروف تھا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فروخ کو یہ اندازِ درسِ حدیث پسند آیا اور ایک شخص سے آہستگی سے پوچھا:

"یہ کون شخص ہیں جو مسندِ حدیث پر بیٹھے ہیں؟"

جواب دیا۔ "یہاں کے مشہور محدث ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن ہیں"۔ ابو عبدالرحمٰن۔ فروخ یہ سن کر فرطِ مسرت سے اچھل پڑے اور بولے۔ "اللہ نے میرے بیٹے کو کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے"۔ اسی وقت گھر آئے اور بیوی سے کہا۔ "میں نے آج مسجد نبویؐ میں تمہارے بیٹے کو اس شان و شوکت میں دیکھا ہے کہ اس سے قبل کسی صاحب محدث اور فقیہ کو نہیں دیکھا"۔

بولیں۔ "اب بتائیے، آپ کو کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ تیس ہزار دینار یا یہ قدر و منزلت علمی؟"

جواب دیا۔ "خدا کی قسم! مجھے تو یہ قدر و منزلت علمی اور محدثانہ وجاہت ہی پسند ہے۔ اس کے مقابلے میں تیس ہزار دینار تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے"۔

کہا۔ "وہ تیس ہزار دینار میں نے ربیعہ کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دیے ہیں۔ اگر میں خرچ نہ کرتی تو تمہارا بیٹا اس مرتبۂ عالی پر نہ پہنچ سکتا"۔

بولے۔ "تم نے وہ رقم صحیح جگہ پر استعمال کی۔ میں آج اپنے بیٹے کو اس جاہ و جلال میں دیکھ کر انتہائی خوش ہوا۔ اس کو اونچے مقام پر پہنچانے والی تم ہی ہو۔ تم نے جو کچھ کیا اس کی مثال نہیں ملتی"۔

ربیعہ ایک غلام کے بیٹے تھے۔ اللہ نے انہیں آسمانِ علم و فضل کی انتہائی بلندیوں تک پہنچایا۔ اور ان سے ایک دنیا کو علم کی روشنی سے منور کیا۔

ان کی جلالت قدر کا یہ عالم ہے کہ تمام محدثین و فقہاء ان کی توثیق کرتے۔ انہیں عدل و انصاف کا پیکر قرار دیتے۔ اور ان کے علم و فہم کے سامنے گردن جھکاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور اہلِ علم سوار بن عبداللہ کہتے ہیں۔ میں نے ربیعہ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ عبدالعزیز بن ماجشون کا کہنا ہے۔ "میری ان آنکھوں نے ربیعہ سے بڑھ کر کوئی حافظ سنت نہیں دیکھا"۔ امام نووی کا قول ہے۔ "ربیعہ سب سے بڑھ کر ثقہ و عادل ہیں اور ان کی عظمتِ حق اور جلالتِ علم پر سب کا اتفاق ہے"۔ حافظ ذہبی رح انہیں حافظِ حدیث، امام فن، مجتہد، فقیہ اور صاحبِ بصیرت قرار دیتے ہیں"۔

ربیعہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ کئی صحابہ کرامؓ اور متعدد تابعین عظام کے فیضِ صحبت سے متمتع ہوئے۔ عظیم المرتبت محدث اور فقیہ ابن زید فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ ربیعہ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور اس کوشش میں ہیں کہ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں اسے پوری طرح سمجھ کر خزانۂ ذہن میں محفوظ کر لیں"۔

وہ ذہانت و فطانت میں بھی سب سے آگے تھے یحییٰ بن سعید کہتے ہیں۔ میں نے ربیعہ سے زیادہ کوئی ذہین و فطین اور صاحبِ عقل و فہم نہیں دیکھا"۔

ربیعہ صاحب فتویٰ بھی تھے اور فتویٰ دینے میں انتہائی محتاط تھے۔ جب تک ذاتی طور پر تسلی نہ کر لیتے کسی مسئلے کے بارے میں فتویٰ نہ دیتے۔ یحییٰ بن سعید انہیں اہل مدینہ کے "رئیس الفتویٰ" کے لقب سے ملقب کرتے ہیں"۔

ربیعہ نہایت خود دار اور صاف ضمیر تھے اور اپنی آزادی میں خلل نہیں ڈالنا چاہتے تھے وہ اس ضمن میں خلفاء کی بھی پروا نہ کرتے۔ چونکہ آپ فقاہت کے درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے اس لیے عباسی خلیفہ عبداللہ السفاح نے ان کو عہدۂ قضا قبول کرنے کی پیش کش کی اور اس منصب جلیلہ پر فائز کرنے کے لیے انہیں کسی طرح اپنے پاس انبار بلا بھی لیا۔ لیکن انہوں نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک دفعہ عبداللہ ابن السفاح نے ان کی خدمت میں ایک قیمتی تحفہ بھیجا مگر انہوں نے واپس کر دیا۔

ایک دفعہ اس نے پچاس ہزار درہم بھیجے تاکہ خادم اور ملازم رکھنے میں آسانی ہو۔ انہوں نے یہ رقم بھی واپس کر دی اور فرمایا۔ "میں اپنے کام خود کر سکتا ہوں۔ مجھے ملازم رکھنے کے لیے آپ کی امداد کی ضرورت نہیں"

کہا کرتے تھے۔ "یہ عہدۂ قضا کیا شے ہے؟ یہ دنیا والوں کا ایک مشغلہ ہے۔ جس سے کوئی دینی اور علمی و فقہی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس سے مالی منفعت حاصل ہو جاتی ہے اور بس"۔

ایک دفعہ یحییٰ بن سعید نے ان سے کہا۔ "آپ کو منصب قضا قبول کر لینا چاہیے"۔ فرمایا۔ "کیا صرف اس لیے کہ اس سے بادشاہ کا قرب حاصل ہو جائے مجھے اس دنیوی مفاد کی کوئی ضرورت نہیں"۔

حضرت ربیعہ کو دنیوی معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا۔ وہ باقاعدہ مسجد نبویؐ میں تشریف لاتے، مجلس درس آراستہ کرتے اور لوگوں کو حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے۔ درس کی اس مجلس میں بڑے بڑے جلیل القدر علمی داعیان بھی شریک ہوتے اور ربیعہ کے افکار عالیہ سے استفادہ کرتے۔ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے درس میں شامل اکابر فقہا کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے حلقۂ درس میں چالیس عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔ جن کے سروں پر عمامے بندھے ہوتے اور غور و فکر سے ربیعہ کی باتیں سن رہے ہیں۔

ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ربیعہ کچھ عرصے کے لیے گوشہ نشین بھی ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک مدت تک سلسلۂ درس منقطع کیے رکھا۔ اس اثنا میں ان کا کام فقط نماز پڑھنا اور اللہ کی عبادت کرنا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ اور آہستہ آہستہ درس حدیث کا دوبارہ آغاز فرما دیا۔

ربیعہ جہاں علم و فضل میں عدیم النظیر تھے وہاں حسنِ اخلاق میں بھی فقید المثال تھے اور بہترین عادات کے حامل تھے۔ وہ نہ تو سلاطین کے درباروں میں جانے کے عادی تھے۔ اور نہ خلفاء و امراء کے عطیات قبول کرتے تھے۔ وہ متوکل علی اللہ بزرگ تھے اور نہایت فیاض اور سخی تھے۔ دوستوں پر فراخدلی سے خرچ کرتے تھے۔ ضرورتمندوں اور شاگردوں کی تمام ضرورتیں اپنی جیب سے پوری کرتے۔ ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے مرحوم دوستوں کی اولاد کا بہت خیال رکھتے اور ان کی ضروریات کی کفالت فرماتے۔ ان کی جود و سخاوت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ابن دیب کہتے ہیں "انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بھائیوں پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے"۔

ابن زید فرماتے ہیں "میں ایک عرصے سے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوں۔ مجھے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن میں نے ان آنکھوں سے ربیعہ سے بڑا سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کا مال دوستوں، ان کے بچوں اور عام سوال کرنے والوں کے لیے وقف تھا۔ وہ بے جھجک روپیہ خرچ کرتے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت اپنے دوستوں سے مانگنے میں بھی انہیں کوئی تکلف نہ تھا۔ چنانچہ اس بے تکلفی کی وجہ سے ان کے ایک دوست نے ان سے کہا۔ "آپ نے اپنا مال لوگوں پر خرچ کر دیا۔ اب دوستوں سے مانگتے پھرتے ہیں کیا آپ کو احساس نہیں ہوتا کہ اس سے آپ کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے"۔

فرمایا۔ "مجھے دوستوں سے مانگنے اور اپنی ضروریات ان سے بیان کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ میں اور میرے دوستوں میں کوئی فرق نہیں۔ میرے دوست اگر مجھے قرض دیتے ہیں تو میرے علم و فضل سے مرعوب ہو کر نہیں دیتے۔ بلکہ میرے ان کے تعلقات کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ نہ میں ان کو انکار کرتا ہوں نہ وہ مجھ کو مایوس کرتے ہیں اور میرے نزدیک دوستی کا درجہ علم سے فائق تر ہے"۔

ربیعہ بہت زیادہ بولنے اور مسلسل باتیں کرنے کے عادی تھے۔ اور بے پناہ قوتِ گویائی کے مالک تھے۔ وہ خاموشی کو انسان کے لیے معیوب قرار دیتے تھے۔ ان کا قول تھا "خاموش آدمی سوئے ہوئے اور گونگے کے درمیان ہوتا ہے"۔

دنیائے اسلام کے اس جلیل القدر محدث فقیہ نے ۱۳۶ھ میں اس دنیائے فانی سے سفرِ آخرت کیا۔ اور ہاشمیہ میں دفن کیے گئے۔ جس کو انبار میں پہلے عباسی حکمران سفاح نے آباد کیا تھا۔

ان کی وفات پر علمائے وقت نے شدید حزن و ملال کا اظہار کیا۔ امام مالکؒ جو خود بھی بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کی وفات کی اطلاع ملی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا:

"ذھبت حلاوۃ الفقہ"

"یعنی اب فقہ کا مزا باقی نہیں رہا۔ اور ربیعہ کی موت نے فقاہت کا خاتمہ کر دیا ہے"۔

اسلامی عقاید و عبادات کی تاریخ

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی

توحید و رسالت، کتب آسمانی، ملائکہ، قیامت، تقدیر، ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ عبادتیں ہیں۔ اسلام کے سب سے پہلے پیغمبر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جب خداوند کریم نے ان کو زمین پر اتارا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا تو دنیا میں خوبی کے ساتھ گذر بسر کرنے اور عبادات و اخلاق حسنہ کے ساتھ زندہ رہنے، برائیوں سے بچنے کے لیے ان کو ایک قانون دیا گیا اسی قانون کا نام دین اور اسلام ہے جو ہمیشہ سے ہے اس قدیم دستور میں جو اعتقادات و عبادات تعلیم کیے گئے تھے وہی اس وقت تک ہیں۔ اصول میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ عبادات اور بعض فروعی احکام میں حسب مصلحت وقت ضرورت ترمیمات ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں جابجا انبیاء سابقین کے حالات میں مذکور ہے کہ انہوں نے یہی تعلیم و تلقین کی کہ خدا ایک ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ ہم رسول ہیں۔ یہ دین ہے۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، روزہ رکھو، حج کرو یہی چیزیں ہیں جو آج تک ارکان اسلام ہیں۔ سورۃ بقرہ پارہ اول میں ہے۔ (کہ ہم نے بنی اسرائیل سے نماز زکوٰۃ کا عہد لیا) پارہ دوم میں ہے۔ تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح اگلی امتوں پر تھے۔ رسول کریم کو خطاب کرکے اللہ پاک نے فرمایا تم کو وہی دین دیا گیا ہے جو انبیاء سابقین کو دیا گیا تھا خود حضرت آدم نے عبادت کرنے کے لیے بیت المعمور کی سیدھ پر بیت اللہ تعمیر کیا۔ طوفان میں وہ منہدم ہوگیا۔ اور ایک ٹیلے کی صورت میں رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اسی کو پھر تعمیر کیا۔ قرآن میں جس جس جگہ اس تعمیر کا ذکر ہے وہیں حج کا بیان ہے۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حج کرنا تاریخ اور احادیث میں مذکور ہے چونکہ انبیاء سابقین کی امتیں گمراہ ہوچکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو دنیا میں گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ مشرکانہ جاہلانہ عقاید عبادات و مراسم رائج ہوگئے اس لیے وہ اسلامی تعلیم جس کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی معدوم ہوگئی آخر اصلاح عالم کے لیے خداوند ذوالجلال نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو خاتم النبیین بنایا جو قانون آپ کو دے دیا گیا وہ تمام عالم کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نافذ کیا گیا۔ چونکہ کافرانہ عقیدے اور مراسم ذمیمہ لوگوں کی عادت ثانیہ ہوگئے تھے ان کا چھڑانا آسان کام نہ تھا۔ اسی لیے اصلاحات کا نزول بتدریج ہوا۔ تاکہ ان کا تحمل دشوار نہ ہو۔ حضور ۱۲ فروری بروز دوشنبہ ۶۱۰ء کو مبعوث برسالت ہوئے اسی لیے عقیدۂ توحید و رسالت اور کلام الٰہی وغیرہ کے نزول و نفاذ کی یہی تاریخ ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو دو وقت کی نماز یعنی ظہر و عصر کی دو دو رکعتیں فرض ہوئیں یہی تاریخ ابتدائے نماز کی ہے ماہ رجب شب چہارشنبہ مطابق مارچ ۶۲۱ء مکہ معظمہ میں حضور کو معراج ہوئی اور صبح و مغرب عشاء میں اوقات کی نمازوں کا اضافہ ہوا۔ مغرب کے سوا صبح اور عشاء کی یعنی دو دو رکعتیں تھیں ۶۲۲ء میں حضور نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو مدینہ شریف کے قریب محلہ قبا میں آکر قیام فرمایا۔ ۱۲ ربیع الاول کو وہاں سے روانہ ہوکر مدینہ پہنچے اور بنی سالم کے محلہ میں قیام فرمایا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ حضور نے نماز جمعہ ادا فرمائی ایک سو صحابہ شریک جماعت تھے یہ پہلا جمعہ تھا سنہ ۱ ہجری مطابق ۶۲۲ء میں ظہر، عصر، عشاء کے فرضوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ ہوا سنہ ۲ ہجری مطابق ۶۲۳ء میں ۲۶ شعبان کو روزوں کے فرض ہونے کا حکم ہوا اور عید سے چار دن قبل نماز عیدین اور صدقۂ فطر و قربانی کا حکم ہوا۔ نماز کے لیے اذان اور جماعت کے لیے تکبیر و اقامت مقرر ہوئی۔ شوال سنہ ۲ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں نبوت کے پانچویں سال یعنی ۶۱۵ء میں حضور نے صحابہ کو ہجرت حبشہ کی اجازت دی کچھ مرد و عورت حبشہ پہنچے لیکن قریش ان کے پیچھے پیچھے بغرض مخالفت لے کر بادشاہ حبشہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند بھاگے ہوئے آدمی یہاں آکر آپ کے یہاں [illegible] ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔ بادشاہ نے مہاجرین کو بلا کر کیفیت دریافت کی۔ حضرت جعفرؓ نے تمام واقعات بیان کیے اور حضورؐ کی بعثت اور کفار کے مظالم کے ساتھ عقائد و عبادات اسلام کا ذکر کیا اس میں یہ بھی کہا کہ ہم کو دیا یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام حکم دیتا ہے نماز، زکوٰۃ اور روزے کا۔ بیان سے یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ جب کہ حدیثوں میں فرضیت صیام و زکوٰۃ [illegible] ہے تو یہاں قبل از ہجرت [illegible] بیان کیسا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ کافر ہو یا مشرک ہو کوئی ہو صدقہ خیرات کو نیکی کرتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور تمام مذاہب میں اس کی تاکید ہے روزوں کا وجود بھی تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ عہد جاہلیت میں کفار قریش [illegible] روزہ رکھتے تھے حضور نے [illegible] روزہ رکھا [illegible] مسلمانوں کو اس کی تاکید کی ہے [illegible] پہنچ کر [illegible] پہلے سال ہجری میں آپ نے اس روزے کی ہدایت کی اس کے سوا اور بھی روزے کبھی کبھی رکھتے تھے ان روزوں کے متعلق قرآن میں کوئی حکم نہ تھا سنہ ۲ھ سے پہلے قرآن میں کسی قسم کے روزہ کا ذکر نہیں آیا تو حضرت جعفر کی مراد ان روزوں سے ہے [illegible] رمضان کے روزے تو سنہ ۲ھ میں فرض ہوئے۔ اسی طرح زکوٰۃ و صدقات کے لیے بھی آپ تاکید فرماتے تھے اور [illegible] تھے حضرت جعفر کے بیان میں فرض زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے زکوٰۃ بھی سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی۔ [illegible] اسلام میں ہوا ہے۔ مثلاً حضور کو نماز کے لیے وضو کرنا جبرئیل نے اول ہی روز سکھا دیا تھا آپ کے [illegible] اور مسلمان وضو کرکے نماز پڑھتے تھے لیکن [illegible]

نعت الرسول

پروفیسر محی الدین [illegible]

سرّ قیام محفل عالم صلی اللہ علیہ وسلم
چشم و چراغ ملت بیضا بحر کرم کا وہ دُرِّ یکتا
وردِ زباں ہے چرخ کہن کے لب پہ سوال [illegible]
مظہر اس کے فخر کی شان چمن سعادت کا وہ نہال ہے
ختم نبوت شافع امت کہکشاں [illegible]
مرہم زخم سینہ فگاراں چارۂ درد قلب پریشاں
لشکر باطل ہوگیا درہم ٹوٹ گیا سب کفر کا دم خم
آمنہ کا وہ نور نظر ہے درجِ سعادت کا وہ گہر ہے
بزم سما کی شمع فروزاں آیۂ رحمت سرّ دوراں
مہر منیر چرخ رسالت غازۂ روئے عالم فطرت
صدر نشین خلوت یزداں صبح بہار گلشن ایماں

فخر تبار حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم
رحمتیں جس کی ہیں بے پایاں [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم
صبح ازل سے نعت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم
وہ ہے ہمارا مونس و ہمدم صلی اللہ علیہ وسلم
ماہ تمام و دودۂ ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم
شامل حال دیدۂ پُرنم صلی اللہ علیہ وسلم
حق کا پیامی آیا جس دم صلی اللہ علیہ وسلم
اس پہ ہیں جان و دل سے فدا ہم صلی اللہ علیہ وسلم
لطف ہے جس کے قطرہ ہوا یم صلی اللہ علیہ وسلم
ہادیٔ اکبر محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
پیکر احسان نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

سچی کہانیاں

جنہیں تاریخ کے صفحات نے اپنے دامن میں محفوظ کر لیا

احترام کلام پاک

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی روایت ہے کہ کسی بزرگ نے سلطان محمود غزنوی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ سلطان نے جواب دیا کہ ایک رات میں کسی قصبے میں مہمان تھا جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق پر قرآن مجید کا ایک ورق رکھا تھا۔ میں نے خیال کیا یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے سونا نہ چاہیے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں۔ پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں۔ اسی ورق کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا اور تمام رات جاگتا رہا۔ میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اس کے بدلے حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

دل میں کھوٹ کا نتیجہ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی زندگی میں راہ سلوک کو طے کرتے ہوئے مختلف مقامات کی سیر کی۔ خود فرماتے ہیں کہ جب وہ بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کیا یا حضرت میں تجارت کرتا ہوں لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہوتا ہے اور میں خود بھی بیمار رہتا ہوں۔ اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ سن کر شیخ سیف الدین باخرزی نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اس کو نقصان سے ایسے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

بددعا نہیں کی

ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے کے لیے حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت دہلی تشریف لائے۔ ان کی قیام گاہ سے کسی نے چادر چرا لی۔ ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لیے آپ بددعا کریں۔ بار بار چیزیں چرا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ ہرگز بددعا نہ کروں گا۔ بلکہ چور اگر آ جائے تو یہ چادر اس کو بخش دوں گا۔ میں نے کبھی کسی کے لیے بددعا نہیں کی۔

تارک صلوٰۃ درویش

حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت تارک صلوٰۃ کو کبھی ولی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ سے بکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا کہ قصبہ اور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نماز معاف کر دی ہے۔ یہ سن کر میں اس کے پاس گیا وہاں امراء اور دوسرے لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ جا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز فرق کرتی ہے۔ درویش نے کہا سنو! میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی ہے اور تم مقرب خاص ہو گئے۔ حضرت سید جلال الدین نے کہا کہ یہ بیہودہ مت کہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو نماز معاف ہوئی نہیں تھی۔ تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں۔ جبرئیل وحی کے فرشتے ہیں۔ وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تیرے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔ درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے اس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا اب جب وہ فرشتہ آئے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنا۔ میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ نے سچی بات کہی تھی [illegible]۔ اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا۔ وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا اور جو کھانا اس نے دیا تھا وہ غلیظ ہو کر میرے سامنے گر پڑا اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی۔

نامحرم عورت

احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا حکمران احمد نظام شاہ بہت ہی پرہیزگار اور نیک خصلت فرماں روا گزرا ہے۔ وہ جب باہر نکلتا تو شہر کے راستے میں دائیں بائیں نہیں دیکھتا تھا بلکہ اپنی نظریں نیچے کر کے رہتا۔ ایک گستاخ امیر نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ شہر سے گزرتے وقت میری سواری کا تماشا دیکھنے کے لیے ہر شہر کے عورت مرد اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری آنکھ کسی نامحرم عورت پر نہ پڑ جائے اور اس کا وبال میرے اوپر نازل ہو۔

کلام پاک کی برکت

سلطان محمود دیگر ایک مرتبہ شب قدر میں علماء و صلحاء کی صحبت میں تھا۔ تمام علماء کوئی نہ کوئی روایت بیان کر رہے تھے۔ ایک عالم نے بیان کیا کہ قیامت کے روز آسمان سے آفتاب نیچے اترے گا، گنہگاروں کے سروں پر آفتاب ایک نیزہ پر ہوگا اور اس کی سوزش سے وہ جل رہے ہوں گے۔ اگر ان میں کوئی حافظ قرآن ہوگا تو اس [illegible] رب الغفور کے سایہ رحمت میں [illegible] کا انتظار [illegible] ہوگا کیونکہ کلام ربانی کی برکت حافظ کے سینے میں محفوظ رہے گی۔ یہ سن کر سلطان محمود [illegible] آہ نکلی اور اس نے کہا کہ میرے [illegible] حاصل نہیں ہے کہ میں بھی اس کرامت [illegible] کا خلیل خان اس مجلس میں موجود تھا [illegible] کے لقب سے تخت پر بیٹھا اس نے باپ کی بات [illegible] دنوں کے بعد اس کو [illegible] کی جاگیر [illegible] چلا آیا لیکن یہاں قرآن پاک کی تلاوت اور حفظ کے سوا [illegible] اور کام میں مشغول نہ ہوتا۔ تلاوت کی [illegible] آشوب کر آیا۔ اس کے مقربین نے کہا کہ [illegible] لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [illegible] کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا [illegible] اور شب بیداری کم کریں اور آرام کریں تو آپ کی [illegible] سرخی جاتی رہے گی۔ خلیل خان نے جواب دیا [illegible] آنکھوں کی سرخی تلاوت قرآن اور شب [illegible] تو یہ سرخی دنیا اور آخرت میں سرخروئی [illegible] اہتمام سے اس نے ایک سال میں تمام [illegible] المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر [illegible] تراویح میں ختم قرآن کروں۔ سلطان [illegible] بیٹے کو سینے سے لگایا [illegible] بیٹے نے رمضان المبارک میں کئی بار کلام پاک [illegible] سلطان نے کہا کہ خلیل خان کا شکریہ کس طرح ادا [illegible] نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن آفتاب کی [illegible] نجات دلائی اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے [illegible] بادشاہت سے اس کو [illegible] تخت پر بٹھایا خود ولی عہد [illegible] وزیروں، امیروں اور لشکریوں کا [illegible] بارے میں کہا جاتا ہے کہ [illegible] نہیں ہوئی۔

درویشی اور بادشاہت

سلطان غیاث الدین تغلق حضرت شیخ [illegible] گروہ [illegible] بزرگ چشت سے [illegible] کی بجائے [illegible] کے لیے [illegible] شیخ [illegible] چشت [illegible] خبر سلطان غیاث الدین [illegible] ہوا اور ان کے [illegible] لے گئے [illegible] چشت پہنچ کر [illegible] اپنے [illegible] تمہاری [illegible]

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام مولانا عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔